عصرِ حاضر میں

اُسوۂ رُسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معنویت

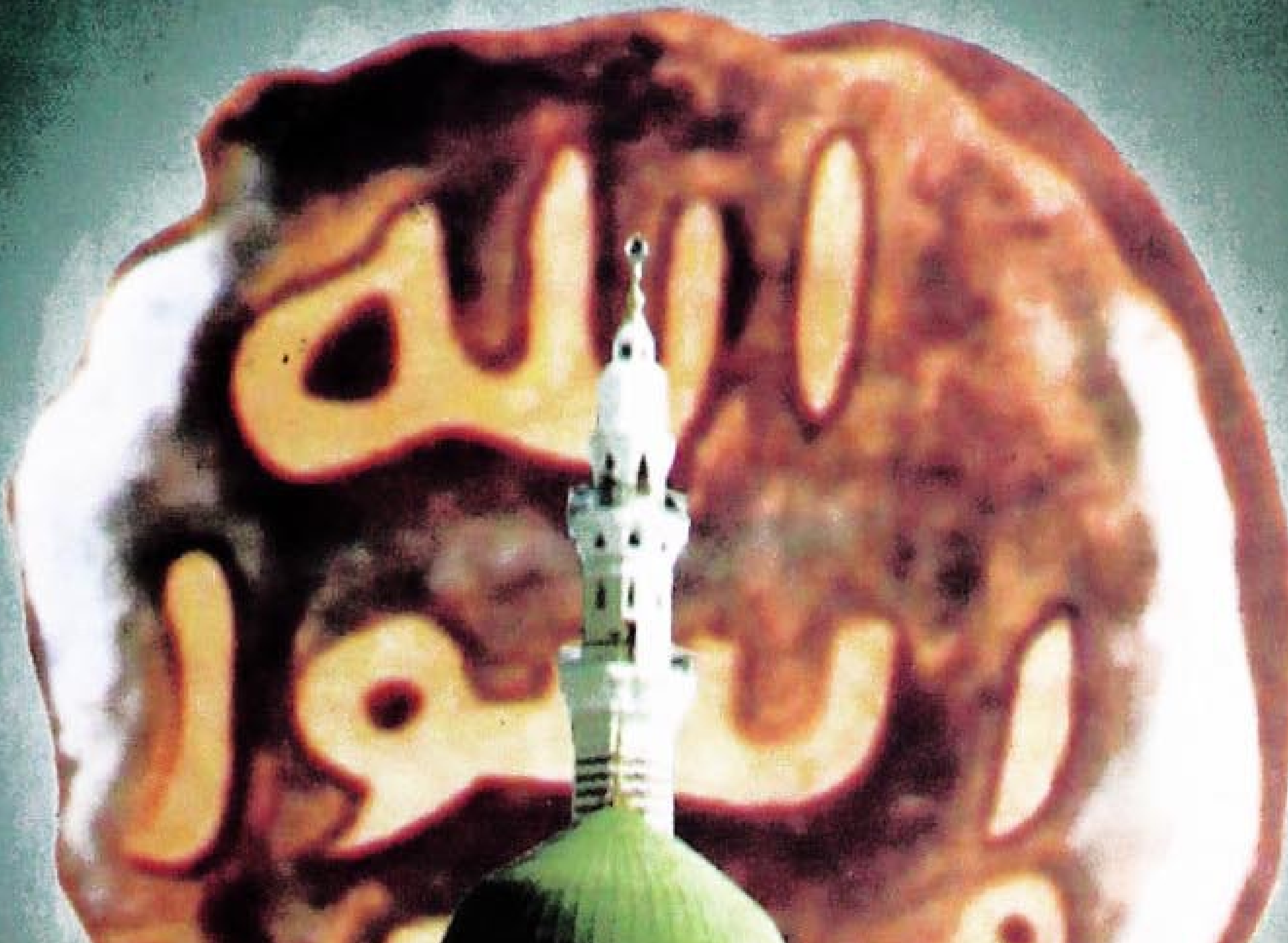

پروفیسر ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی

Marfat.com

Marfat.com

عصر حاضر میں
اسوۂ رسول اکرمؐ کی معنویت

پروفیسر ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی

مکتبۂ جمال
تیسری منزل، حسن مارکیٹ، اردو بازار، لاہور
فون: 7232731 Mob: 0300-8834610
Email: maktabajamal@yahoo.co.uk
maktaba_ jamal@email.com

Marfat.com

297.9921
سعو 28
97129
ا

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب: .... عصر حاضر میں اسوۂ رسول اکرمؐ کی معنویت

مصنف .... پروفیسر ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی

ناشر: .... مکتبہ جمال ٥ لاہور

اہتمام: .... میاں غلام مرتضےٰ کھٹانہ

مطبع: .... تایا سنز پرنٹرز ٥ لاہور

سن اشاعت: 2008ء

قیمت: .... 200 روپے

ملنے کا پتہ:

مکتبۂ جمال

تیسری منزل، حسن مارکیٹ، اردو بازار لاہور

فون: 7232731 Mob: 0300-8834610

Email maktabajamal@yahoo.co.uk

maktaba_ jamal@email.com

Marfat.com

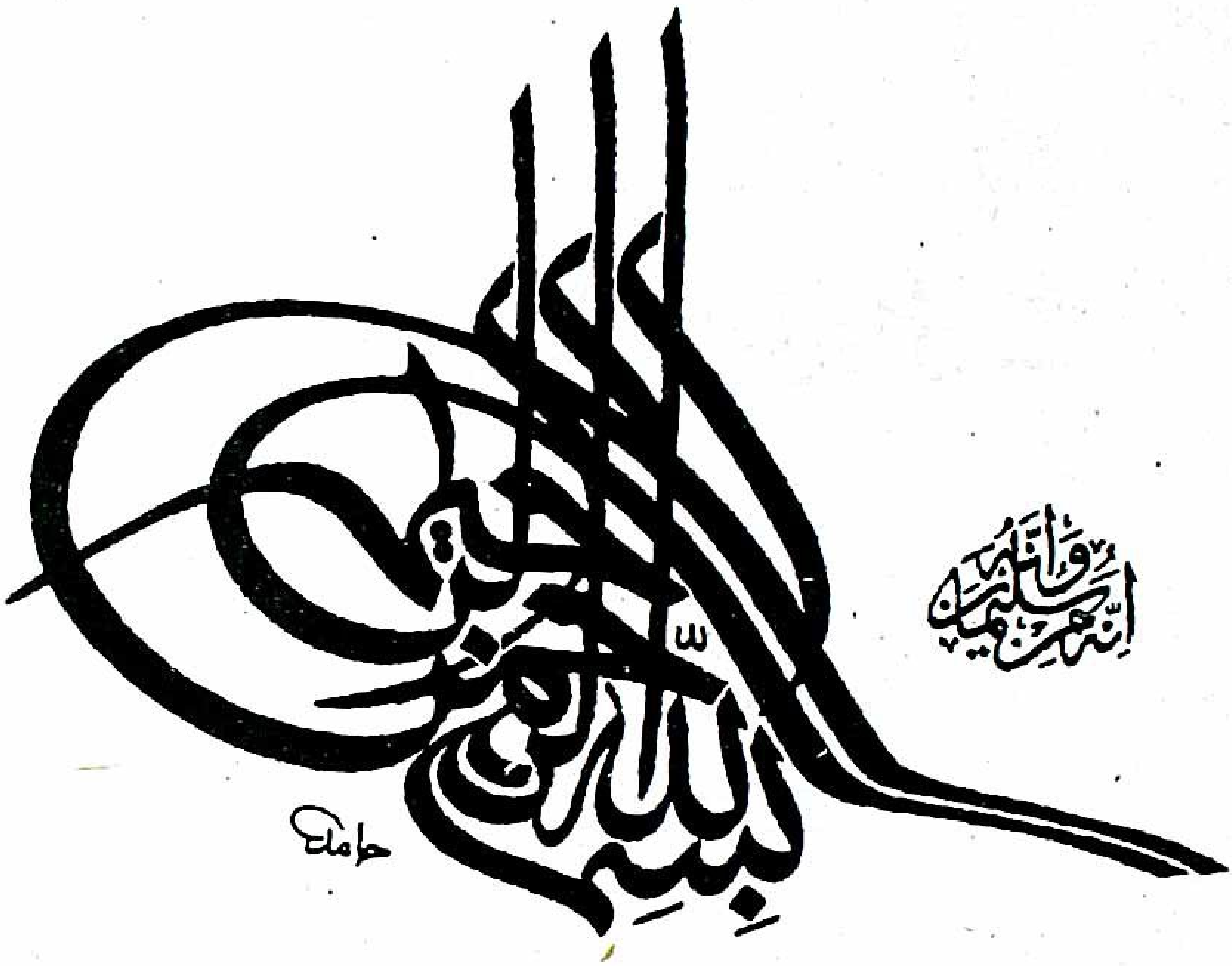

Marfat.com

انتساب

سیرت کمیٹی علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے
رفقاءِ کار کے نام

Marfat.com

روشن چراغ

يَـآأَيُّهَـا الـنَّبِـيُّ إِنَّـا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِداً وَمُبَشِّراً
وَنَـذِيْـراً وَدَاعِيـاً إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجاً مُّنِيْراً
(الاحزاب:۴۵)

''اے نبی ﷺ ہم نے تمھیں گواہ بنا کر، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر، اللہ کے حکم سے اس کی طرف دعوت دینے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے''

Marfat.com

تشکیل امت

از رسالت درجہاں تکوین ما
از رسالت دین ما آئین ما
از رسالت صد ہزار ما یک است
جزو ما از جزو مالا ینفک است
ما زحکم نسبت او ملتیم
اہل عالم را پیام رحمتیم
قوم را سرمایہ قوت از وست
حفظ سر وحدت ملت از وست

این گہر از بحر بے پایان اوست
ماکہ یکجا نیم از احسان اوست

(رسالت کی وجہ سے دنیا میں ہماری تشکیل ہوئی ہے، ہمارا دین اور آئین رسالت کی وجہ سے ہے، رسالت کی وجہ سے ہمارے لاکھوں افراد ایک جان ہیں، ہمارے ہر فرد کا باہم اٹوٹ رشتہ ہے، ہم ان کے حکم کی نسبت سے ایک ملت ہیں، دنیا والوں کے لیے پیغام رحمت ہیں، یہ وحدت ان کے بیکراں سمندر کا موتی ہے، ہم مسلمان جو ایک جان ہیں انہی کا احسان ہے) اقبال

Marfat.com

فہرست

۱-	پیش لفظ - موجۂ گل سے چراغاں ہے گذر گاہِ خیال	۸
۲-	رسول اکرمؐ اور انسانی خدمت	۱۳
۳-	علم اور اخلاق اسوۂ رسول پاکؐ	۳۷
۴-	ہجرت حبشہ مسلم اقلیت کے لیے اسوہ	۴۹
۵-	رسول اکرمؐ اور ماحول کا تحفظ	۶۸
۶-	رسول اکرمؐ اور شہری منصوبہ بندی	۸۶
۷-	رسول اکرمؐ اور امنِ عالم	۱۱۱
۸-	اسوۂ حسنہ اور اسوۂ کاملہ	۱۲۹
۹-	راہِ نجات رسول اکرمؐ پر ایمان ہے	۱۵۰
۱۰-	رسول اکرمؐ اور مغربی جارحیت	۱۶۷
۱۱-	مصطفیٰ نایاب ارزاں بولہب	۱۷۷
۱۲-	محبت رسول اللہؐ کی	۱۸۶

Marfat.com

پیش لفظ

موجۂ گل سے چراغاں ہے گذرگاہِ خیال

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ گرامی اہلِ ایمان کے لیے سرچشمہ ہدایت بھی ہے اور مرکزِ عشق و محبت بھی۔ مسلمانوں کا تہذیبی نظام انھی کے اسوہ پر قائم ہے اور عمل کی دنیا انھی کے احکام پر استوار ہے۔ معراج خیال بھی انھی کا پیغام ہے اور میزان عمل بھی انہی کی سنت و شریعت ہے۔ اور یہ اس لیے ہے کہ اللہ رب العالمین نے ان کو آخری رسول، فائنل رول ماڈل اور کامل اسوہ حسنہ بنا کر بھیجا ہے۔ یہ اسوہ ہر زمانہ میں مسلمانوں کی قوت کا سرچشمہ رہا ہے اور ان کی قومی سیرت کی تشکیل و تعمیر کا بنیادی عنصر رہا ہے۔ اس کی حفاظت اور اشاعت کے لیے ہر دور میں علماء اور دانشوروں نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھا ہے۔ ان کی سیرت و شخصیت، سنت و شریعت، احکام اور پیغام، منصب اور مقام، حالات اور معمولات، غرضیکہ ہر پہلو اور ہر موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور تاریخی شواہد اور عقلی دلائل کے ساتھ پیش کیا ہے۔ مسلمان شعرا نے اسے شعری پیکر میں ڈھالا ہے اور نعت محمدی کا بے مثال ذخیرہ فراہم کیا ہے اور یہ صرف مسلم علماء اور شعرا ہی پر منحصر نہیں، بہت سے غیر مسلم دانشوروں اور ادیبوں نے بھی اس سعادت میں حصہ شعور کے ساتھ لیا ہے:

نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

لیکن اسی کے ساتھ کم ظرف اور کوتاہ نظر معاندین کا بھی ایک گروہ ہر زمانہ

Marfat.com

میں موجود رہا ہے۔ جو نور نبوت کی جگہ ظلمت شب کا نقیب بن کر کھڑا ہوا ہے۔ جس نے حضرت محمد ﷺ کی سیرت و شخصیت پر کیچڑ اچھال کر شیطانی قہقہہ لگایا ہے۔ خواہ وہ ماضی کے ابولہب اور ابو جہل ہوں یا حال کے سلمان رشدی اور تسلیمہ نسرین، یورپ کے متعصب قلم کار ہوں یا بھارت کے یرقان زدہ صحافی اور اوہام پرست مصنفین۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

تاریخ گواہ ہے کہ کیچڑ اچھالنے والے خود سامان عبرت بن گئے ہیں اور اسوہ محمدیؐ کا جمال آب و تاب کے ساتھ سعید روحوں کو اپنی طرف کھینچتا رہا ہے۔ اسی کے ساتھ اہل ایمان نے ہمیشہ سیرت محمدی کی حفاظت جان و دل سے زیادہ کی ہے۔ اس کے لیے وہ ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار رہے ہیں۔ دنیا نے اس حقیقت کا بارہا مشاہدہ اور تجربہ کیا ہے۔

اگست ۲۰۰۷ء میں برٹش ہائی کمیشن نئی دہلی کے نامزد سفیر نے اپنے عہدہ کا چارج سنبھالنے سے پہلے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا دورہ کیا، وائس چانسلر صاحب نے یونیورسٹی کے مشرقی مطالعات کے شعبوں کے سربراہوں کی ان کے ساتھ مٹنگ رکھی۔ راقم بھی بحیثیت صدر شعبہ دینیات موجود تھا۔ عالمی تناظر میں مسلم مسائل اور مسلم حساسیت کے بہت سے پہلوؤں پر گفتگو ہوئی۔ راقم نے عرض کیا کہ مغربی دنیا کو یہ ذہن نشین کرلینا چاہیے کہ رسالت محمدی ایسا مسئلہ ہے جس میں پوری دنیا کے مسلمان یک جان، یک زبان اور حساس ہیں۔ کوئی مسلمان خواہ عالم ہو یا جاہل، باعمل ہو یا بے عمل وہ حضرت محمد ﷺ کے خلاف ایک لفظ سننا گوارا نہیں کرتا، یہ اس کی دولت ایمان ہے اسے وہ لٹا نہیں سکتا۔

مسلمان صرف اتنا چاہتا ہے کہ جس عزت و احترام کے ساتھ وہ حضرت عیسیٰؑ کا نام لیتا ہے اسی احترام کا سلوک عیسائی حضرات بھی حضرت محمد ﷺ کے ساتھ کریں۔

Marfat.com

فاضل مہمان نے بات توجہ سے سنی اور اس سے اتفاق کیا۔ اللہ عمل کی توفیق دے۔

ذات محمدی کے سلسلہ میں مسلم حساسیت کا اندازہ اس چھوٹے سے واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے۔ لکھنؤ سے ایک انجنیر کا فون راقم کو موصول ہوتا ہے، ان کا کہنا ہے کہ میں نے اپنے موبائل فون کا رنگ ٹون گانے کی جگہ نعت محمدی کو بنایا ہے۔ میرے آفس کے غیر مسلم ساتھی نے مجھ سے پوچھا کہ تم نے رنگ ٹون میں یہ کیا لگا لیا ہے؟ میں نے کہا کہ یہ ہمارے نبی محمد ﷺ کی نعت پاک ہے۔ یہ سن کر اس نے حضرت محمدؐ کو برا بھلا کہا، میں نے غصہ میں کرسی چھوڑ دی اور آفس سے باہر نکل آیا۔ ابھی تک میں باہر ہوں، وہ مجھے بلاتے کے لیے آیا تب بھی میں نہیں گیا، مجھے بتائیے کہ میں کیا کروں۔

انجنیر موصوف کو میں نے مشورہ دیا کہ آپ کا احتجاج بجا ہے۔ آپ کے غیر مسلم ساتھی نے نادانی میں یہ حرکت کی ہے۔ وہ غلط فہمی میں مبتلا ہے۔ آپ اس موقع کا فائدہ اٹھائیے، اس کو احساس ندامت ہے تبھی وہ آپ کو بلانے کے لیے آیا تھا۔ آفس جائیے، اس کی غلط فہمی دور کیجیے، اسے اخلاق محمدی کا درس دیجیے، رسول کی رحمت بھری تعلیم سے روشناس کرائیے۔ ہوسکتا ہے یہی اس کی ہدایت کا ذریعہ بن جائے۔ حضرت عمرؓ حضورؐ کو قتل کرنے کے ارادہ سے نکلے تھے، بہن بہنوئی کو کلمہ پڑھنے کی وجہ سے مار مار کر لہو لہان کر دیا تھا، مگر یہیں سے ان کے لیے ہدایت کا راستہ کھلا تھا۔ سیرت محمدی پر ہندی کتابیں دستیاب ہیں۔ آپ اپنے ساتھی کو پیش کیجیے اور ان کو سیرت محمدی کو سمجھنے کی دعوت دیجیے، آفس سے نکل آنا آپ کی غیرت تھی اور تعلیم محمدی کو پیش کرنا آپ کی ضرورت ہے۔

ستیہ سائی بابا جنوبی ہند کے غیر مسلموں کی ایک مضبوط مذہبی اور سماجی تنظیم ہے۔ علی گڑھ میں اس کی صوبائی کانفرنس منعقد ہوئی، جس میں اتر پردیش اور اتراکھنڈ کے تعلیم یافتہ حضرات بڑی تعداد میں شریک تھے۔ کانفرنس کا عنوان تھا ''سب سے محبت سب کی خدمت'' راقم اسلام کی نمائندگی کر رہا تھا۔ راقم نے قرآن و

Marfat.com

سنت کے حوالہ سے محبت وخدمت کی روح اور حضور اکرم ﷺ کی عملی مثال کی تفہیم و تشریح کی۔ سیرت محمدی کی جلوہ افروزی اتنی پرکشش ثابت ہوئی کہ حاضرین اور منتظمین متاثر ہوئے بغیر نہ رہے اور سب نے اسلام کی معقولیت اور فضیلت کو محسوس کیا بلکہ بعض دانشوروں نے لفظوں میں اظہار کیا۔

اس وقت سیرت محمدی کو غیر مسلموں میں حکمت وبصیرت کے ساتھ پیش کرنے کی بڑی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ خود مسلموں میں بھی سیرت وسنت سے واقفیت کا عمومی ماحول پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ اسی ضرورت کے تحت گذشتہ بیس سالوں سے سیرت کمیٹی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے راقم کی انتظامی وابستگی ہے۔ یہ کمیٹی سیرت النبی ﷺ پر تقریروں، تحریروں، اسلامی معلومات، قراءت اور نعت کے مقابلے کراتی ہے۔ نعتیہ مشاعرہ کا اہتمام کرتی ہے اور سیرت النبی پر کتابوں کی تقسیم اور پمفلٹ کی اشاعت کرتی ہے۔ اس کمیٹی میں پروفیسر رحیم اللہ خان، ڈاکٹر محب الحق، مولانا اشہد جمال ندوی، ڈاکٹر شارق عقیل، جناب احمد مجتبیٰ صدیقی، جناب عبدالغنی عتیف اور دیگر سعادت مند شامل ہیں۔

سیرت کمیٹی سے وابستگی نے محبت واطاعت کے پاکیزہ جذبات پیدا کرنے کے ساتھ حیات مبارکہ کے مختلف پہلوؤں پر کتب سیرت کے مطالعہ کا زریں موقع فراہم کیا ہے۔ میں اپنے عزیزوں اور طالب علموں کو مخلصانہ مشورہ دیتا ہوں کہ وہ سیرت وسنت کے مطالعہ کو زندگی کا جزو بنائیں۔ اس سے علم وایمان کی دولت کے ساتھ کردار کی عظمت بھی نصیب ہوگی اور یہی درخواست ہر اس انسان سے ہے جو حق کا متلاشی ہے۔

عربی و فارسی کے علاوہ خود اردو زبان میں سیرت رسول ﷺ پر معتبر کتابوں کا بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ ان میں علامہ شبلی نعمانی کی سیرت النبی، مولانا سید سلیمان ندوی کی خطبات مدارس، مولانا عبدالروف دانا پوری کی اصح السیر، قاضی سلیمان منصور پوری کی رحمۃ للعالمین، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی سیرت سرور

Marfat.com

عالم، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی منصبِ نبوت، مولانا نعیم صدیقی کی محسن انسانیت، مولانا ادریس کاندھلوی کی سیرۃ المصطفیٰ، علامہ ماہر القادری کی درِّ یتیم، ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی محمد رسول اللہ اور دیگر کتب سیرت، پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی کی مکی اسوہ اور عہدِ نبوی میں تنظیم ریاست وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ نئی نسل کو اپنے اس ثقافتی سرمایہ سے استفادہ کرنا چاہیے۔

اسی سلسلہ کی ایک کڑی یہ حقیر کوشش ہے جو سیرت محمدی ﷺ پر گیارہ مقالات کا مجموعہ ہے اور نسبت رسول سے ''احد عشر کوکبا'' کا مصداق ہے۔ یہ مقالات حسب ضرورت مختلف وقت میں لکھے گئے، مگر ان کا موضوع اور محور ایک ہے۔ ان میں سے تین مقالات امت مسلمہ کی دینی رہنمائی اور ذہن سازی سے تعلق رکھتے ہیں۔ تین مقالات عصر حاضر کے عالمی مسائل اور ان کے پیغمبرانہ حل سے بحث کرتے ہیں۔ دو مقالات رسالت محمدیؐ پر ضعیف الاعتقادی اور مداہنت کا تعاقب کرتے ہیں۔ جب کہ دو مقالات سیرت محمدیؐ کے خلاف مغربی رویہ کا محاسبہ کرتے ہیں۔ آخری مقالہ میں اہلِ ایمان کو فکر وعمل کی مخلصانہ دعوت دی گئی ہے۔

ان مقالات میں روح عقیدت کے ساتھ علم واستدلال کی اثر انگیزی بھی ہے۔ یہ مقالات ہندو پاک کے موقر علمی رسالوں میں شائع ہوکر قبول عام حاصل کر چکے ہیں۔ اللہ کرے بارگاہ الٰہی میں بھی شرف قبولیت حاصل کریں اور مصنف کی سعادت وشفاعت کا ذریعہ بنیں۔

وما توفیقی الا باللہ

محمد سعود عالم قاسمی

اسٹریٹ ۲، اقرا کالونی، علی گڑھ

۵؍ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ

Marfat.com

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور انسانی خدمت

Marfat.com

فاصلہ

رسول، اللہ کا فرستادہ اور اس کا نمائندہ ہوتا ہے۔ رسول کے مخاطب انسان ہوتے ہیں۔ وہ انسانوں کے درمیان رہتا اور بستا ہے، بھرپور سماجی اور اجتماعی زندگی گذارتا ہے، صالح انسانی سرگرمیوں میں حصہ لیتا ہے، انسانوں کے دکھ درد میں شریک ہوتا ہے، ان کی مشکلات کو حل کرتا ہے ان کا غم خوار ہوتا ہے، ان کی تعلیم و تربیت کرتا ہے اور ان کی تطہیر و تعمیر کی راہ ہموار کرتا ہے۔ ایک طرف تو رسول کا تعلق اللہ سے گہرا اور مضبوط ہوتا ہے اور دوسری طرف انسانوں سے اس کا رشتہ اٹوٹ اور بے لوث ہوتا ہے۔ منصب رسالت کے یہ بنیادی پہلو ہیں اور یہی کار پیغمبری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب مشرکوں نے یہ سوال اٹھایا کہ ان کی ہدایت کے لیے انسان کے بجائے فرشتہ کو رسول بنا کر کیوں نہ بھیجا گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو جواب دیا :

قُل لَّوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَّسُولًا[1]

"کہہ دو کہ اگر زمین میں فرشتے چلتے پھرتے اور بستے ہوتے تب ہم ضرور ان کی ہدایت کے لیے آسمان سے فرشتہ نازل کرتے۔"

یعنی انسانوں کی مشکلات، نفسیات، مزاج، ضروریات اور دکھ درد کو زیادہ بہتر طور پر انسانوں کا نمائندہ ہی سمجھ سکتا ہے اور ان کا بہتر مداوا کر سکتا ہے۔ اس لیے فرشتوں کے مقابلہ میں انسان کو رسول بنانا زیادہ مناسب تھا۔

چنانچہ تمام رسول انسانوں کے ہی درمیان سے اٹھے اور انسانوں کی خیر خواہی کے لیے مامور ہوئے۔ خاص طور پر آخری رسول محمد ﷺ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ انسانی دکھ درد کو نہ صرف گہرائی سے سمجھتے تھے بلکہ ان کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھتے اور ان کے شریک غم رہتے تھے، وہ انسانی مشکلات کے حل سے اتنی گہری دلچسپی رکھتے

Marfat.com

تھے کہ قرآن پاک نے ان کو رحمۃ للعالمین کا خطاب دیا۔ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کا تعارف ان لفظوں میں کرایا ہے:

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ [۲]

"بے شک تمہارے پاس ایک رسول تمہارے ہی درمیان سے آیا ہے، تمہاری تکلیف اس پر گراں گذرتی ہے، وہ تمہاری بھلائی کا حریص ہے اور مومنوں پر مہربان اور شفیق ہے۔"

نبوت سے پہلے انسانی خدمت

رسول اکرم ﷺ منصب نبوت پر فائز ہونے سے پہلے بھی انسانوں سے محبت اور ان کی خدمت کے لیے مشہور تھے۔ بارِ نبوت کو اٹھانے میں اس صلاحیت اور خصوصیت نے آپ کو بڑی مدد پہنچائی۔ بلکہ یہ کہا جائے کہ قدرت نے کارِ نبوت کو انجام دینے کے لیے آپ کا انتخاب کرنے سے پہلے آپ کے اندر انسانی خدمت کا جذبہ اور ملکہ کامل طور پر پیدا کر دیا تھا۔ چنانچہ پہلی مرتبہ جب آپ پر قرآنی آیات نازل ہوئیں تو اس وقت آپ غار حرا میں غور وفکر میں تھے۔ فرشتہ سے پہلی ملاقات اور پہلی وحی کے نزول کے بعد آپ سردی سے کانپتے ہوئے اپنی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے چادر اڑھاؤ، مجھے اپنی جان کا خطرہ محسوس ہوتا ہے۔ پھر آپ نے پورا ماجرہ سنایا۔ یہ سن کر حضرت خدیجہ نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

"كلا والله لايخزيك الله ابدا انك لتصل الرحم، وتحمل الكل وتكسب المعدوم وتقرى الضيف وتعين على نوائب الحق" [۳]

"ہرگز نہیں اللہ کی قسم! اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ کیوں کہ

Marfat.com

آپ رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں، لوگوں کے بوجھ اٹھاتے ہیں، ناداروں اور محتاجوں کی مدد کرتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور مصیبت کے دنوں میں متاثرہ لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔''

یعنی آپ انسانوں کی جتنی بے لوث خدمت کرتے ہیں یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اللہ آپ کو رسوا نہیں کرے گا بلکہ ان کی سعادت کے لیے آپ کی حفاظت فرمائے گا۔

نبوت کے بعد انسانی خدمت

نبوت کے بعد رسول اللہ ﷺ پر دوہری ذمہ داری عائد ہوگئی۔ ایک انسانوں کی خدمت کی اور دوسری ان کی ہدایت اور سعی نجات کی۔ نبوت سے پہلے صرف انسانی خدمت آپ کی پہچان تھی، نبوت کے بعد خدمت اور ہدایت دونوں آپ کی پہچان بن گئی۔

خدا پرستی اور انسانی خدمت

(رسول پاک ﷺ صرف انسانوں کی روحانی مشکلات ہی حل کرنے کے لیے تشریف نہ لائے اور نہ صرف اخلاقی برائیوں کی اصلاح کا بیڑہ اٹھایا بلکہ انسان کی سماجی اور معاشی مشکلات کو دور کرنے کی بھی سعی کی، اور انسانی معاشرہ کے رنج و غم کو سکھ اور مسرت میں تبدیل کرنے کی کامیاب جدوجہد کی۔ انسانی سماج میں طاقت ور اور کمزور، امیر و غریب، مختار اور محتاج دونوں طرح کے لوگ رہتے ہیں اور دونوں کے اپنے مسائل ہوتے ہیں۔ رسول پاک ﷺ ہر فرد کی اصلاح کرتے ہیں اور دونوں کو کامیابی کی راہ دکھاتے ہیں۔ اگر رسول انسانوں کی روحانی دنیا آباد کرے اور مادی دنیا کو اجڑ جانے دے، اخلاقی حالت کو درست کرے اور سماجی زندگی کو

Marfat.com

الجھنوں میں مبتلا رہنے دے، عبادت پر زور دے اور سماجی حقوق کو نظر انداز کر دے تو یہ مذہب ناقص ہوگا اور اس کی انسانوں کو چنداں ضرورت نہ ہوگی۔ چنانچہ رسول پاک ﷺ نے دونوں ضروریات کی تکمیل کے لیے مذہب کا ایک کامل نمونہ پیش کیا جس نے اپنے دامن میں اللہ کی عبادت اور انسانوں کی خدمت دونوں کو یکساں جگہ دی۔ قرآن نے وضاحت کی:

لَيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّواْ وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَـكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَالْمَلآئِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّآئِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلاةَ وَآتَى الزَّكَوٰةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُواْ وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاء والضَّرَّاء وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَـئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَـئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ [۴]

"نیکی یہ نہیں ہے کہ تم اپنا چہرہ مشرق اور مغرب کی طرف کرو، بلکہ نیکی تو یہ ہے کہ کوئی ایمان لائے اللہ پر، آخرت کے دن پر، فرشتوں پر، کتاب پر اور نبیوں پر۔ مال دے اس کی محبت پر رشتہ داروں کو، یتیموں کو، مسکینوں کو، مسافروں کو، مانگنے والوں کو، اور گردن چھڑانے میں، اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے، اور پورا کرے اپنے عہد و پیمان کو جب کہ عہد کرے۔ مقابلہ سختی اور تکلیف میں صبر کرے، یہی لوگ سچے ہیں اور یہی لوگ پرہیزگار ہیں۔"

اس آیت میں تفصیل سے نیکی اور دین داری کا تصور بیان کیا گیا ہے۔ اس میں جہاں ایمانیات پر زور ہے، عبادات کی تلقین ہے، اخلاقی اصولوں کا تذکرہ ہے، وہاں انسانوں کی خدمت، ان کے دکھ درد میں شرکت اور ان کی حاجت روائی کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ یہ مذہب کی روح ہے، اس کا خمیر اور جوہر ہے۔ اگر مذہب

Marfat.com

سے ایمانیات اور عبادات کو خارج کر دیا جائے تو مذہب ثقافت و رواج پر مبنی سماجی تنظیم یا کلچرل انجمن بن کر رہ جائے گا اور اگر انسانی خدمت کو نظر انداز کر دیا جائے اور ان کی مشکلات کا مداوا نہ کیا جائے تو مذہب بے جان رسموں کا ڈھانچہ بن جائے گا یا مابعد الطبیعات کا پیچیدہ فلسفہ۔

مشرکین کا انسانی خدمت سے انکار

مشرکین مکہ نے جو دھرم اپنا رکھا تھا وہ انھی پیچیدگیوں کا شکار تھا۔ ان کی اخلاقی اور سماجی زندگی کی تصویر کشی قرآن میں متعدد مقامات پر بڑی باریک بینی سے کی گئی ہے، ایک جگہ ارشاد ہے:

كَلَّا بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا [5]

"ہرگز نہیں، تم یتیموں کی عزت نہیں کرتے، اور محتاجوں کو کھانا کھلانے کی ایک دوسرے کو تلقین نہیں کرتے اور مردے کا سارا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور مال و دولت سے جی بھر کے محبت کرتے ہو۔"

یعنی انسانوں کی محبت کی جگہ مشرکوں کے دل میں مال کی محبت نے جڑ پکڑ لیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ نہ وہ خود ناداروں پر مال خرچ کرتے تھے اور نہ دوسروں کو محتاجوں کی خبر گیری کے لیے کہتے تھے، یہ سماج انسانوں پر مبنی تو تھا مگر روح انسانیت سے خالی تھا اور شیخ سعدی کے اس حکمت آمیز شعر کا مصداق تھا:

تو کز محنت دیگراں بے غمی   نہ شاید کہ نامت نہند آدمی

"تم اگر دوسروں کی محبت سے بے نیاز ہو تو تم کو آدمی کا نام نہیں دیا جانا چاہیے۔"

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جاہلی معاشرہ میں حقیقی خدا پرستی اور سچی انسانی

Marfat.com

خدمت کی تحریک برپا کی تو مشرکوں نے جہاں اس بات کی مخالفت کی کہ ان گنت دیوتاؤں کی جگہ صرف ایک خدائے وحدہ لاشریک کی پرستش کی جائے وہاں اس بات کی بھی مخالفت کی کہ غریبوں اور ناداروں پر اپنا مال خرچ کیا جائے اور بغیر کسی معاوضہ اور صلہ کے ان کی خدمت کی جائے۔ وہ مالداری اور ناداری کو مقدرات سمجھتے تھے اور ناداروں کی حالت سدھارنے کی کوشش کو نادانی اور گمراہی سے تعبیر کرتے تھے۔ قرآن پاک میں رسول کریم ﷺ کی خدمت انسانی کے مطالبہ اور جواب میں مشرکین کے غیر انسانی رویہ کا ان لفظوں میں تذکرہ کیا گیا ہے:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ أَنفِقُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنُطْعِمُ مَن لَّوْ يَشَاءُ اللَّهُ أَطْعَمَهُ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ[6]

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو اللہ نے تم کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرو تو کافر مومنوں سے کہتے ہیں ہم کیوں کھلائیں ایسے لوگوں کو کہ اگر اللہ چاہتا تو ان کو خود کھلاتا تم لوگ صریح گمراہی میں مبتلا ہو۔''

اہل کتاب کی استحصالی ذہنیت

یہودیوں اور عیسائیوں بالخصوص ان کے مذہبی رہنماؤں کی حالت بھی کچھ اس سے مختلف نہ تھی۔ ان کی اکثریت نے انسانی خدمت کے بجائے مذہب کو انسانوں کے استحصال کا ذریعہ بنالیا تھا۔ ان کی سرمایہ دارانہ اور استحصالی ذہنیت پر تبصرہ کرتے ہوئے قرآن میں کہا گیا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ[7]

Marfat.com

"اے مومنو! بہت سے احبار اور رہبان (یہود و نصاریٰ کے مذہبی پیشوا) لوگوں کے مال غلط طریقہ سے کھاتے ہیں، اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ اور جو لوگ جمع کر کے رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دو۔"

لوگوں کا مال باطل طریقہ سے کھانا اور اللہ کی راہ سے روکنا، ان مذہبی پیشواؤں کا وہ کارنامہ تھا جو ان کو مشرکوں کی خصوصیات کے مشابہ بنا دیتا تھا۔ اہل کتاب میں بلاشبہ ایسے لوگ بھی تھے جو راست باز تھے مگر ان کی تعداد بہت کم تھی، اکثریت ان لوگوں کی تھی جن کا رویہ خدا پرستی اور انسان دوستی کے مخالف تھا، حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی مذکورہ دونوں باتوں کو مضبوطی سے پکڑنے کا حکم دیا تھا اور عہد بھی لیا تھا، ارشاد ہے:

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لاَ تَعْبُدُونَ إِلاَّ اللّهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً وَذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَقُولُواْ لِلنَّاسِ حُسْناً وَأَقِيمُواْ الصَّلاَةَ وَآتُواْ الزَّكَاةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلاَّ قَلِيلاً مِّنكُمْ وَأَنتُم مِّعْرِضُونَ [8]

"اور یاد کرو جب ہم نے بنی اسرائیل سے یہ عہد لیا تھا کہ تم لوگ اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہ کرنا، اور والدین، رشتہ داروں، اور مسکینوں سے اچھا سلوک کرنا، لوگوں سے بھلی بات کرنا اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا، مگر تھوڑے آدمیوں کے سوا تم اس عہد سے پھر گئے اور تم ابھی تک برگشتہ ہو۔"

بنی اسرائیل میں یہود اور نصاریٰ دونوں شامل ہیں۔ مگر یہ استحصالی ذہنیت خاص طور پر یہود کی تھی جنھوں نے سرمایہ داری، سود خوری اور ذخیرہ اندوزی کو اپنا شعار بنا لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پھر وہی حکم دے کر بھیجا کہ اللہ

Marfat.com

کی توحید اور انسانوں کی خدمت کی تبلیغ کریں۔ چنانچہ انھوں نے اپنی قوم کو یہ بھولا ہوا سبق یاد دلایا۔ انجیل میں متعدد مقامات پر اس کی تفصیل موجود ہے۔ انجیل میں زر پرستوں اور خدمت گاروں کے انجام کا حال تمثیلی طور پر اس طرح بیان کیا گیا ہے:

''سب قومیں اس کے سامنے جمع کی جائیں گی اور وہ ایک کو دوسرے سے جدا کرے گا جیسے چرواہا بھیڑوں کو بکریوں سے جدا کرتا ہے اور بھیڑوں کو اپنے دائیں اور بکریوں کو اپنے بائیں کھڑا کرے گا۔ اس وقت بادشاہ اپنے دائیں والوں سے کہے گا آؤ میرے باپ کے مبارک لوگو! جو بادشاہی بنائے عالم سے تمہارے لیے تیار کی گئی ہے اسے میراث میں لے لو، کیوں کہ میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا کھلایا، میں پیاسا تھا تم نے مجھے پانی پلایا، میں پردیسی تھا تم نے مجھے اپنے گھر میں اتارا، میں ننگا تھا تم نے مجھے کپڑا پہنایا، میں بیمار تھا تم نے میری خبر گیری کی، میں قید میں تھا تم میرے پاس آئے، تب راست باز جواب میں کہیں گے، اے خداوند! ہم نے کب تجھے بھوکا دیکھ کر کھانا کھلایا، کپڑا پہنایا۔ ہم کب تجھے بیمار یا قید میں دیکھ کر تیرے پاس آئے؟ بادشاہ جواب میں کہے گا میں تجھ سے سچ کہتا ہوں کہ جب تم نے میرے ان سب سے چھوٹے بھائیوں میں سے کسی کے ساتھ یہ سلوک کیا تو میرے ہی ساتھ کیا۔ پھر وہ بائیں جانب مڑے گا اور کہے گا اے ملعونو! میرے سامنے سے ہمیشہ کے لیے آگ میں چلے جاؤ جو ابلیس اور اس کے فرشتوں (رسولوں) کے لیے تیار کی گئی ہے۔ کیوں کہ میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا نہ کھلایا، پیاسا تھا تم نے مجھے پانی نہ پلایا اور پردیسی تھا تم نے مجھے گھر میں نہ اتارا، ننگا تھا تم نے مجھے کپڑا نہ پہنایا، بیمار اور قید میں تھا تم نے میری خبر نہ لی۔''[۹]

توحید کو عیسائیوں نے تثلیث میں تبدیل کر دیا لیکن عیسائیوں کے ایک طبقہ نے انسانی خدمت کے اس فریضہ کو اپنا شعار بنایا، اور اس روایت کو آگے بڑھایا بلکہ اس کے ذریعہ عیسائیت کی تبلیغ و اشاعت کی۔ جبکہ یہود توحید کی دعوت اور انسانی خدمت دونوں سے بیگانہ رہے۔

Marfat.com

رسول کریم ﷺ کی انسانی خدمت کی تحریک

نبی ﷺ نے مسلمانوں کو جو تعلیم دی اس کا مرکزی نکتہ یہ تھا'' اطعموا الجائع وعود واالمریض وفکوا العانی ''[۱۰] بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، بیماروں کی خبر گیری کرو، اور قیدیوں کو رہا کراؤ''۔

حضرت رسالتمآب ﷺ نے انسانوں کی محبت کو اللہ کی محبت سے تعبیر کیا، مخلوق کی خدمت کو اللہ تک پہنچنے کا راستہ قرار دیا، اور جہنم سے آزادی اور جنت کے حصول کا ذریعہ بتایا۔ مسلمانوں کی اجتماعی اور انفرادی زندگی میں یہ تعلیم ریڑھ کی ہڈی کی طرح اہمیت رکھتی ہے۔ اگر انسانوں کی خدمت نہ کی جائے تو اللہ کی خوشنودی حاصل نہیں ہوسکتی۔ یہ ایسی گھاٹی ہے جسے پار کیے بغیر رضوان الٰہی کی بلندی تک پہنچا نہیں جاسکتا۔ قرآن پاک نے وضاحت کی:

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَمَا أَدْرَاکَ مَا الْعَقَبَةُ فَکُّ رَقَبَةٍ أَوْ إِطْعَامٌ فِی یَوْمٍ ذِی مَسْغَبَةٍ یَتِیماً ذَا مَقْرَبَةٍ أَوْ مِسْکِیناً ذَا مَتْرَبَةٍ ثُمَّ کَانَ مِنَ الَّذِینَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ أُولَئِکَ أَصْحَابُ الْمَیْمَنَةِ[۱۱]

''اس نے دشوار گذار گھاٹی پار نہ کی، تمھیں کیا معلوم کہ کیا ہے وہ دشوار گذار گھاٹی، کسی گردن کو غلامی سے چھڑانا، یا فاقہ کے دن کسی رشتہ دار یتیم یا خاک نشیں مسکین کو کھانا کھلانا، پھر ان لوگوں میں شامل ہونا جو ایمان لائے اور جنھوں نے ایک دوسرے کو صبر اور انسانوں پر رحم کرنے کی تلقین کی۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث نقل کی ہے، آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انسانوں سے مخاطب ہوگا اور اس طرح جواب طلب کرے گا:

۹۷۱۳۹

Marfat.com

''اے آدم کی اولاد! میں بیمار تھا مگر تو نے میری عیادت نہیں کی، بندہ کہے گا اے پروردگار میں کس طرح تیری عیادت کرتا جبکہ تو رب العالمین ہے، اللہ کہے گا تجھے معلوم تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہے مگر تو نے اس کی عیادت نہیں کی، اگر تو اس کی عیادت کے لیے جاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا مگر تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا، بندہ کہے گا: اے پروردگار! میں تجھے کھانا کس طرح کھلاتا جبکہ تو رب العالمین ہے۔ اللہ کہے گا کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا مگر تو نے کھانا نہیں کھلایا۔ اگر تو اسے کھانا کھلاتا تو یہ کھانا میرے پاس پاتا۔ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا مگر تو نے مجھے پانی نہیں پلایا۔ بندہ کہے گا کہ اے پروردگار میں تجھے پانی کس طرح پلاتا جبکہ تو رب العالمین ہے اللہ کہے گا کہ میرے فلاں بندے نے پانی مانگا مگر تو نے اسے پانی نہیں پلایا اگر تو اسے پانی پلاتا تو اسے میرے پاس پاتا۔'' [۱۲]

یہ حدیث حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مذکورہ تمثیلی تعلیم خدمت خلق سے ملتی جلتی ہے۔ اس سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد ﷺ کی انسانی خدمت کی تعلیم ایک ہی بحر رحمت کی دو موجیں ہیں جو زمان و مکان کے فاصلہ سے ابھری ہیں، وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں کی مصیبت اور ضرورت کو نظر انداز کر کے کوئی شخص اللہ کی رضا حاصل نہیں کر سکتا اور نہ روحانیت کا علمبردار ہو سکتا ہے۔ روحانیت اور خدمت دو قالب ایک جان ہیں۔ ان کو جدا کر کے مذہب کی نمائندگی نہیں کی جا سکتی۔ اسی لیے قرآن میں جہاں جہاں صلوٰۃ کا حکم ہے، وہاں زکوٰۃ کا بھی حکم ملتا ہے۔ جہاں اللہ کی بندگی کا مطالبہ ہے وہاں انسانوں کی راحت رسانی کا بھی تقاضا ہے۔

مشرکانہ اور عیسائی عقیدہ کے برخلاف اسلامی عقیدہ میں خدا مجرد ہے، اس کی کوئی فیملی نہیں اور ازواج و اولاد نہیں۔ مگر رسول اللہ ﷺ نے پوری انسانیت کو اللہ کی

Marfat.com

فیملی سے تعبیر کیا ہے، جناب رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

''الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من أحسن الی عیالہ''[۱۳]

''مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔ مخلوق میں سب سے زیادہ اللہ کو محبوب وہ بندہ ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ حسن سلوک کرے۔''

یعنی انسانوں سے محبت اور ان کی خدمت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی محبت ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا اظہار بندوں کی خدمت کی شکل میں ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں اللہ کے محبوب بندوں کی علامت یہ بیان کی گئی ہے:

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِيناً وَيَتِيماً وَأَسِيراً إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُوراً إِنَّا نَخَافُ مِن رَّبِّنَا يَوْماً عَبُوساً قَمْطَرِيراً[۱۴]

''وہ کھانا کھلاتے ہیں اللہ کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی کو، (ان کا کہنا ہے کہ) ہم تم کو اللہ کی رضا کے لیے کھانا کھلاتے ہیں۔ ہم تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکر گذاری، ہم تو اپنے رب سے اداسی والے دن کی سختی سے ڈرتے ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''انا و کافل الیتیم فی الجنۃ ھکذا''[۱۵]

''میں اور یتیم کی کفالت کرنے والے جنت میں اس طرح ہوں گے جیسے یہ دونوں انگلیاں۔''

یہ تعلیم انسانی خدمت کے محرک اور مقصد کو واضح کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ اللہ کی محبت کا راستہ بندوں کی خدمت سے گذرتا ہے۔ جو اس منزل تک پہنچنا چاہتا ہے اسے یہ راستہ اختیار کرنا ہوگا ورنہ وہ منزل سے دور ہو جائے گا۔

اسی وجہ سے نبی ﷺ نے اللہ کی رضا کے لیے جان و مال قربان کرنے والوں کے مساوی درجہ انسانی خدمت گزاروں کا بیان فرمایا ہے۔

Marfat.com

انسانی خدمت بھی جہاد ہے

جہاد کا بنیادی مقصد ظالموں کو ظلم سے روکنا اور کمزوروں اور محتاجوں کی حفاظت کرنا ہے۔ جہاد کی اجازت قرآن نے ان الفاظ میں دی ہے:

أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوْاؕ وَإِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ [16]

''اجازت دی گئی ان لوگوں کو جنگ کی جن سے کفار لڑتے ہیں کیوں کہ ان (مسلمانوں) پر ظلم ڈھایا گیا اور اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے۔''

دوسری جگہ فرمایا گیا:

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنْكَ نَصِيْرًا [17]

''اور تمھیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان کمزور اور مغلوب مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو فریاد کرتے ہیں کہ ہمارے رب ہمیں اس آبادی سے نکال یہاں کے لوگ ظالم ہیں اور اپنے پاس سے ہمارا کوئی حمایتی بنا دے اور ہمارے لیے اپنی طرف سے مددگار بھیج دے۔''

جہاد کا مذکورہ مقصد انسانیت کی حفاظت ہے، اس لیے اس پر بڑا اجر مقرر کیا گیا ہے۔ کمزوروں اور ناداروں کی خدمت بھی اسی مقصد کی تکمیل کرتی ہے بلکہ نسبتاً مثبت اور احسن طریقہ سے کرتی ہے۔ اس لیے رسول پاک ﷺ نے انسانی خدمت انجام دینے والوں کو بھی مجاہد ہی کی طرح اہمیت دی ہے اور ان کو اجر وثواب کا مستحق قرار دیا ہے:

Marfat.com

"الساعی علی الأرملة والمسکین کا لمجاهد فی سبیل الله وأحسبه قال و کالقائم لایفتر و کالصائم لایفطر"[۱۸]

"بیواؤں اور مسکین کی خدمت کرنے والا مجاہد فی سبیل اللہ کے مانند ہے، راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ وہ اس نمازی کی طرح ہے جو مسلسل نماز پڑھتا ہے اور اس روزہ دار کی طرح ہے جو افطار نہیں کرتا۔"

انسانی خدمت کے عناصر سیرت کی روشنی میں

رسول کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرنے سے جہاں انسانی خدمت کے میدان و اطراف کا پتہ چلتا ہے، وہاں انسانی خدمت میں کارفرما عوامل اور عناصر ترکیبی کا بھی ادارک ہوتا ہے۔ اگر ان عناصر کو پیش نظر نہ رکھا جائے تو انسانی خدمت کا عمل بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ وہ عناصر ہیں اکرام، انصاف اور ایثار۔

اکرام کا مطلب ہے کہ انسان کے ہر فرد اور ہر گروہ کو خواہ وہ کسی طبقہ، کسی علاقہ، کسی رنگ اور کسی نسل اور کسی بھی ذات و برادری سے تعلق رکھتا ہو محترم سمجھنا اور عزت دینا، اسے کمتر اور حقیر نہ سمجھنا کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو محترم بنایا ہے۔ قرآن پاک میں جگہ جگہ اس ہدایت کو دہرایا گیا ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِيْ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلاً[۱۹]

"اور ہم نے آدم کی اولاد کو محترم بنایا ہے اور خشکی اور دریا میں سواری عطا کی ہے اور ہم نے اس کو پاکیزہ رزق عطا کیا ہے اور جن مخلوقات کو ہم نے پیدا کیا ہے ان میں سے بیشتر پر اسے فضیلت بخشی ہے۔"

ایک دوسری جگہ فرمایا گیا:

Marfat.com

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ [20]

''بے شک ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا ہے۔''

یہ اکرام واحترام انسانوں کے کسی مخصوص طبقہ کو نہیں بخشا گیا بلکہ پورے بنی نوع انسان کو عطا کیا گیا ہے۔اس لیے خدمت انجام دینے والے فرد اور گروہ کو انسانی خدمت سے پہلے انسانوں کی عزت و احترام کا جذبہ اپنے اندر پیدا کرنا چاہیے۔ بہت سے لوگ محتاجوں کی مدد تو کرتے ہیں مگر ان کو حقیر سمجھتے ہیں۔ مال دیتے ہیں مگر دل میں جگہ نہیں دیتے، کسی شاعر نے اس کی تعبیر اس طرح کی ہے:

وہ جیسے سردیوں میں گرم کپڑے دے فقیروں کو
لبوں پر مسکراہٹ تھی مگر کیسی حقارت سی

قرآن نے مشرکوں کو اسی انسانی احترام کی تعلیم دیتے ہوئے کہا تھا کہ'' تم لوگ یتیموں کا احترام نہیں کرتے'' یتیم سماج کی سب سے قابل رحم یونٹ ہے۔ اگر اس کا احترام تمہارے اندر نہیں ہے تو سمجھ لو کہ انسانی خدمت کا جذبہ بھی نہیں ہے۔ علامہ اقبال نے اسی روح کو شعری پیکر میں اس طرح ڈھالا ہے:

آدمیت احترام آدمی　　　باخبر شو از مقام آدمی

آدمی کے مقام ومرتبہ سے باخبر ہو جاؤ کہ آدمیت آدمی کے احترام کا نام ہے۔

یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ خیرات کرتے ہیں، کارِ خیر میں حصہ لیتے ہیں ان میں احساس برتری پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ خود کو مختار اور لینے والے کو محتاج سمجھتے ہیں۔ مختار ومحتاج کی یہ نفسیات اکرام کا جذبہ باقی نہیں رہنے دیتی۔ اس لیے نبی ﷺ نے یہ تعلیم دی کہ تم سب دراصل محتاج ہو اور مختار صرف اللہ ذوالجلال ہے۔ اس لیے اپنی احتیاج آپس کے تعاون سے دور کرو۔ قرآن میں فرمایا گیا:

وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَأَنتُمُ الْفُقَرَاءُ [21]

''اللہ غنی ہے اور تم سب محتاج ہو۔''

رسول کریم ﷺ نے مسلمانوں کو یہ تاکید بھی فرمائی کہ صدقہ، زکوٰۃ اور خیرات

Marfat.com

خاموشی سے محتاجوں کو دیا جائے، اس کی تشہیر نہ کی جائے بلکہ اس حد تک اخفا کیا جائے کہ بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔ اس حکم کی روح بھی دراصل یہ ہے کہ صدقہ قبول کرنے والوں کی عزت نفس محفوظ رہے اور ان کی غیرت کو ٹھیس نہ لگے۔ یہ انسانی اکرام و احترام کا انتہائی اعلیٰ مرتبہ ہے اور خدمت خلق کی روح ہے۔

یہاں خدمت کا ایک دوسرا عنصر آ کر مل جاتا ہے اور وہ انصاف ہے۔ یعنی سماج کے پچھڑے ہوئے، پس ماندہ اور کمزور لوگوں کے ساتھ انصاف کرنا خدمت کا حصہ ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے مالداروں کے مال میں ناداروں کا حق موجود ہے۔ اس لیے حکم ہوا کہ مال دار ناداروں کا حق ادا کریں۔ یہ احسان نہیں انصاف ہوگا، اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ فِي اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ. لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوم [22]

"ان کے مالوں میں مقررہ حق ہے سائل اور محروم کا۔"

رسول پاک ﷺ نے اہل ثروت سے فرمایا:

"انما ترزقون وتنصرون لضعفائکم" [23]

"تم کو جو رزق دیا جاتا ہے اور اللہ کی طرف سے تمہاری جو مدد کی جاتی ہے وہ تمہارے کمزور طبقات کی بدولت ہے۔"

یعنی دولت تمہارا استحقاق نہیں بلک اللہ کا عطا کردہ عطیہ ہے اور امانت ہے۔ کوئی انسان اگر غریب اور محتاج ہے تو یہ اس کا دائمی مقدر نہیں، اسی طرح اگر کوئی انسان مال دار اور مختار ہے تو یہ اس کا پیدائشی حق نہیں۔ رسول پاک ﷺ نے محتاجوں سے یہ نہیں فرمایا کہ تم مال داروں کے پاس جاؤ اور ان سے اپنا حق مانگو بلکہ مالداروں پر یہ ذمہ داری عائد کی کہ وہ ناداروں کو ان کا حق پہنچائیں۔

فَآتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ذٰلِكَ خَيْرٌ
لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ [24]

Marfat.com

”قرابت داروں، مسکینوں اور مسافر کو اس کا حق ادا کرو، یہ بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو اللہ کی رضا چاہتے ہیں اور وہی لوگ کامیاب ہیں۔“

نادار اگر مال داروں کی خدمت قبول کرتے ہیں تو مال داروں کو ان کا شکر گذار ہونا چاہیے کہ انھوں نے اپنا حق قبول کیا اور مال داروں کا فریضہ ادا ہوا۔ مسجد نبوی میں رمضان المبارک میں اہل خیر حضرات روزہ افطار کی مسلمانوں کو دعوت دیتے ہیں، ان کو اپنے دسترخوان پر لے جاتے ہیں اور ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں یہ بھی سیرت نبوی کا فیضان ہے۔

انسانی خدمت کا تیسرا عنصر ایثار ہے۔ یعنی صرف حق ادا کرنا مطلوب نہیں بلکہ دوسروں کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دینا، دوسروں کی تکلیف کو اپنی تکلیف پر مقدم سمجھنا اور اپنے کام کو مؤخر کر کے دوسرے کی حاجت روائی کرنا انسانی خدمت کا اعلیٰ اور ارفع مقام ہے۔ جس کی تعبیر قرآن کریم نے اس طرح کی ہے:

وَيُؤْثِرُونَ عَلٰى أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ[25]

”وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ وہ خود فاقہ سے ہوں، اور جو اپنے نفس کے بخل سے بچالیا گیا سمجھو کہ وہی کامیاب ہیں۔“

رسول کریم ﷺ کی پوری زندگی خدمت خلق کے اسی اعلیٰ مرتبہ کی نمائندگی کرتی ہے۔ یہاں تک کہ آپ کے صحابہ کرام میں یہی روح جاری وساری نظر آتی ہے۔ بعد کی صدیوں میں بھی ہم اس کا اثر مسلم سماج میں محسوس کرتے ہیں۔

حضرت سہل بن سعد روایت کرتے ہیں کہ ایک خاتون رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک چادر بن کر لائیں اور کہنے لگیں کہ یہ چادر میں اپنے ہاتھ سے تیار کر کے آپ کے لیے لائی ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس چادر کو قبول فرمالیا اور اس وقت آپ کو اس کی ضرورت تھی۔ آپ نے اسے اپنا تہبند بنالیا اور ہمارے درمیان تشریف لائے تو ایک شخص نے کہا کیا خوب چادر ہے مجھے عنایت کر دیجیے۔ نبی ﷺ

Marfat.com

نے منظور کرلیا۔ تھوڑی دیر آپ مجلس میں تشریف فرما رہے پھر واپس ہوئے تو چادر لپیٹ کر اس شخص کو بھجوا دیا۔ لوگوں نے اس شخص سے کہا تو نے اچھا نہیں کیا۔ نبی ﷺ کو اس کی ضرورت تھی اس لیے اسے پہنے ہوئے تھے۔ تم نے یہ جان کر کہ نبی ﷺ مانگنے والے کو خالی ہاتھ نہیں لوٹاتے وہ چادر بھی مانگ لی۔ اس شخص نے کہا اللہ کی قسم میں نے پہننے کے لیے یہ چادر نہیں مانگی بلکہ اسے اپنا کفن بنانے کے لیے مانگی ہے۔[26]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا میں پریشان حال اور بھوکا ہوں۔ یہ سن کر جناب رسالتمآب ﷺ نے بعض ازواج مطہرات کو اطلاع دی کہ اگر کچھ کھانے کو موجود ہو تو بھیجیں۔ جواب ملا کہ گھر میں پانی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے یکے بعد دیگرے تمام ازواج مطہرات کے یہاں معلوم کیا مگر ہر جگہ سے یہی جواب ملا تو آپ نے اپنے صحابہ سے فرمایا کوئی ہے جو آج رات اسے اپنا مہمان بنالے؟ ایک انصاری نے کہا کہ میں اسے ساتھ لے جاتا ہوں۔ وہ صحابی اس مہمان کو ساتھ لے کر گھر آئے اور اہلیہ سے کہا کہ کچھ ہے جس سے رسول پاک ﷺ کے مہمان کی ضیافت کروں۔ اہلیہ نے جواب دیا کہ بچوں کا کھانا ہے، شوہر نے کہا کہ ان کو کسی طرح بہلا کر سلا دینا، اور جب مہمان کھانے بیٹھیں تو چراغ بجھا دینا اور یہ تاثر دینا کے ہم ان کے ساتھ کھا رہے ہیں چنانچہ پروگرام کے مطابق سب کھانے بیٹھے، مہمان نے کھانا کھالیا اور ان دونوں نے بھوکے رہ کر رات گذاری۔ جب صبح رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: "تم دونوں میاں بیوی نے رات جو مہمان نوازی کی ہے وہ اللہ تعالیٰ کو بھا گئی۔"[27]

ایثار کی یہ روشن مثال شاید سیرت رسول ﷺ ہی کے دامن میں مل سکے گی، دنیا کے دوسرے خدمت گاروں کے یہاں اس طرح کی مثالیں مشکل سے مل سکیں گی۔ انسانی خدمت کی یہ اعلیٰ مثال ہے جو ہر عہد اور ہر قوم کے لیے قابل تقلید ہے۔ خدمت خلق کا حقیقی اور کامل تصور اسی وقت ابھرتا ہے جبکہ اس میں مذکورہ تینوں عناصر موجود ہوں۔

Marfat.com

انسانی خدمت کا تسلسل اور تنظیم

رسول پاک ﷺ نے انسانی خدمت کے معروف طریقوں میں دو اہم اور نادر اضافے فرمائے۔ ایک تو انسانی خدمت کو بعد از مرگ باقی رکھنا اور دوسرے خدمت کو ادارتی شکل دینا۔ تسلسل کا مطلب یہ ہے کہ وقتی طور پر انسانی خدمت کرنے کے ساتھ کوئی ایسا کام کیا جائے جس سے خدمت کا سلسلہ مرنے کے بعد بھی جاری رہے، اس کے لیے جناب رسالتمآب نے صدقہ جاریہ کا تصور دیا، آپ نے فرمایا:

''اذامات الانسان انقطع عنه عمله الامن ثلاث صدقة جارية او علم ينتفع به او ولد صالح يد عوالهٗ''[۲۸]

''جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے اعمال خیر کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے سوائے تین اعمال کے، ایسا صدقہ جس کا فیض جاری رہے، ایسا علم جس سے استفادہ باقی رہے، صالح اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی رہے۔''

صدقہ جاریہ میں عام طور پر اجتماعی اور سماجی استفادہ کی چیزیں شامل ہیں مثلاً نل لگوانا، کنواں کھدوانا، تالاب بنوانا، سرائے بنوانا، سڑکیں اور پل بنوانا، مسافر خانہ تعمیر کرنا وغیرہ۔ قابل استفادہ علم میں درس گاہ کھولنا، لائبریری بنانا، کتابیں لکھنا یا شائع کرنا، اسکالرشپ وغیرہ کا انتظام کرنا شامل ہے۔ یہ ایسی خدمت ہے کہ اگر انسان مرجائے تب بھی اس کا فیض جاری رہتا ہے اور وہ اپنی فیض رسانی کے حوالہ سے زندہ رہتا ہے۔ ہر باشعور انسان چاہتا ہے کہ مرنے کے بعد اس کا نام باقی رہے۔ رسول پاک ﷺ نے انسان کی اس آرزو کو انسانی خدمت سے وابستہ کر کے ایک تعمیری جہت عطا کی ہے۔

رسول پاک ﷺ نے انسانی خدمت کو ادارتی شکل دینے کے لیے وقف کا تصور دیا۔ وقف کا مطلب یہ ہے کہ اصل جائداد باقی رہے اور اس کی آمدنی سے خدمت رسانی کے کام ہوتے رہیں۔ مثلاً مکان، دوکان، فیکٹری، زمین، باغ وغیرہ

Marfat.com

وقف کیا جائے تو یہ جائداد نہ تو ہبہ ہوگی اور نہ بیچی جاسکے گی بلکہ اس کے منافع اور آمدنی سے وہ خدمت انجام پاتی رہے گی جس کے لیے وہ جائداد وقف کی گئی ہے۔

انسانی خدمت کی تاریخ میں یہ ایک نیا تصور تھا جو جناب رسالت مآب نے انسانی دنیا کو عطا کیا۔ اس کی تقلید دوسرے مذاہب اور تہذیبوں نے بھی کی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیبر میں ایک زمین ملی تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے خیبر میں ایک مال ملا ہے جس سے بہتر مال مجھے کبھی نہیں ملا، آپ اس کے بارے میں مجھے کیا حکم دیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''ان شئت حبست اصلها و تصدقت بها قال فتصدق بها عمر انه لاتباع ولا توهب ولا تورث''[29]

''اگر تم چاہو تو اس کی اصل کو باقی رکھو اور پیداوار کو صدقہ کردو۔ حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو صدقہ کردیا اس شرط کے ساتھ کہ نہ وہ فروخت کی جائے گی، نہ ہبہ کی جائے گی اور نہ اس میں وراثت جاری ہوگی، اور اس کی منفعت فقیروں، رشتہ داروں، غلام کی آزادی، مہمانوں اور مسافروں کے لیے وقف ہوگی اور اس کے متولی کے لیے اس سے معروف کے مطابق اجرت لینا جائز ہوگا۔''

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو رومہ نامی کنواں کے علاوہ میٹھے پانی کا دوسرا کنواں نہ تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کون ہے جو رومہ کنواں کو خرید کر اپنے ڈول کے ساتھ مسلمانوں کے ڈول کو بھی شریک کرے گا اور اس کے صلہ میں اسے جنت کی بھلائی حاصل ہوگی؟ تو میں نے اپنے اصل مال سے اسے خرید لیا اور اس میں خود بھی ڈول ڈال کر پانی نکالتا تھا اور سارے مسلمان بھی ڈول ڈال کر پانی نکالتے تھے۔[30]

Marfat.com

وقف کے مزید واقعات نبی ﷺ کی حیات مبارکہ میں ملتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ جناب نبی ﷺ نے وقف کا تصور دے کر مسلم سماج کو ایک تعمیری اور فلاحی سماج میں تبدیل کر دیا اور حق یہ ہے کہ آج بے شمار تعلیمی ، مذہبی ، سماجی اور رفاہی ادارے وقف کی جائداد کی آمدنی سے چل رہے ہیں اور اس نے خدمت خلق کے میدان میں انتہائی اہم اور مؤثر رول ادا کیا ہے، اور اس کا سلسلہ انشاء اللہ قیامت تک جاری رہے گا۔

رسول کریم ﷺ کی انسانی خدمت کی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ نے مسلم معاشرہ میں جہاں انفرادی طور پر زکوٰۃ و صدقات اور انفاق کا جذبہ پیدا کیا وہاں اجتماعی کفالت کے اداروں کی تنظیم اور تشکیل کی تحریک فراہم کی۔ اوقاف اس کی نمایاں مثال ہے۔ اوقاف کے علاوہ انسانی خدمت کے دیگر اداروں میں یتیم خانوں کا قیام سنت نبوی کی اہم عملی تعبیر ہے۔ اسلام سے پہلے بھی یتیم تھے اور انفرادی طور پر ان کی دیکھ بھال ہوتی ہوگی ، مگر یتیموں کی نگہداشت اور ان کی تعلیم و تربیت کے لیے اداروں کا تصور نہ تھا ، نبی ﷺ نے یتیموں کی نگہداشت کی جو مسلسل تلقین فرمائی اور اسے انسانیت اور اسلام کا اہم فریضہ بتایا اس کے سبب سے مسلم حکومتوں نے یتیم خانوں کے قیام پر پوری توجہ دی اور غیر حکومتی سطح پر بھی اہل خیر مسلمانوں نے بڑے بڑے یتیم خانے بنوائے، علامہ سید سلمان ندوی کے بقول:

”آج دنیا کے شہر شہر میں یتیم خانے قائم ہیں مگر اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا محمد ﷺ سے پہلے بھی یہ بدقسمت گروہ اس نعمت سے آشنا تھا تو تاریخ کی زبان سے جواب نفی میں ملے گا، اسلام پہلا مذہب ہے جس نے اس مظلوم فرقہ کی دادرسی کی ، عرب پہلی سرزمین ہے جہاں کسی یتیم خانہ کی بنیاد پڑی، اور اس کی حکومت دنیا کی پہلی حکومت ہے جس نے اس ذمہ داری کو محسوس کیا ، اور عرب ، مصر، شام، عراق، ہندوستان جہاں جہاں مسلمانوں نے اپنی حکومتوں کی بنیادیں ڈالیں ساتھ ساتھ ان مظلوموں کے لیے بھی امن وراحت کے گھر بنائے، ان کے لیے وظیفے مقرر کیے، مکتب

Marfat.com

قائم کیے، جائدادیں وقف کیں۔''[۱۳۱]

موجودہ عہد میں انسانی خدمت کے لیے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں سوشل ورک کے شعبے قائم کیے گئے ہیں۔ جہاں سماجی خدمت کا کورس پڑھایا جاتا ہے، اور سوشل ورکر کی ٹریننگ ہوتی ہے۔ مگر دیکھا یہ جارہا ہے کہ سوشل ورک کی تعلیم لوگوں میں مالی منفعت کے حصول کا جذبہ اسی طرح پیدا کررہی ہے جس طرح دیگر عصری تعلیم کا نتیجہ سامنے آرہا ہے۔ سوشل ورک کی ڈگری لے کر طلباء خدمت سے زیادہ ملازمت کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ چنانچہ اگر مقررہ وقت کے علاوہ بھی ان کو کام کرنا پڑے تو اس اضافی ڈیوٹی کے معاوضہ کے طلب گار ہوتے ہیں۔ فرصت کے دنوں میں انسانی خدمت کی انجام دہی سے کتراتے ہیں۔ رسول پاک ﷺ نے انسانی خدمت کی جو تعلیم دی ہے وہ مقصد زندگی کا حصہ ہے۔ اس کے لیے وقت اور عمر کی قید نہیں بلکہ اس کار خیر کو کرتے کرتے مرنا ہے اور مرتے مرتے کرنا ہے اور اللہ سے قبولیت کی دعا کرتے رہنا ہے۔ یہ خدمت ملازمت سے دور اور مالی منفعت سے بلند ہے۔

اس عہد کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ عالمی، ملکی اور مقامی سطح پر سیاسی جماعتوں کی طرح سماجی خدمت کی تنظیمیں بھی وجود میں آئی ہیں۔ ان میں بعض تنظیمیں مخصوص میدان میں کام کرتی ہیں۔ مثلاً بعض بیماروں کی خدمت کے لیے، بعض آسمانی اور حادثاتی مصائب میں راحت رسانی کے لیے، بعض معذوروں کی مدد کے لیے اور بعض یتیموں کی پرورش کے لیے، جبکہ بہت سی تنظیمیں عمومی انسانی خدمت کے لیے ہیں۔ عیسائی تنظیمیں خاص طور پر ملکی اور بین الاقوامی سطح پر پیش پیش ہیں، اور ان کی پشت پناہی امریکہ اور یورپ کی حکومتیں کرتی ہیں۔

مسلمانوں نے بھی انسانی خدمت کے لیے بہت سی تنظیمیں ملکی اور بین الاقوامی سطح پر قائم کی ہیں، ان تنظیموں کا فیض آفت زدہ، پریشان حال لوگوں تک پہنچتا ہے۔ مسلمانوں کی انسانی خدمت کی پیش رفت کو روکنے کے لیے امریکہ اور یوروپی

Marfat.com

ممالک نے ان رفاعی تنظیموں کی آمدنی اور امداد پر روک لگانی شروع کردی ہے۔ جواز یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ان کی امداد دنیا میں دہشت گردی کو بڑھاوا دے رہی ہے، مگر یہ ایک فرضی عذر ہے، اصل محرک یہ ہے کہ مسلمانوں کی تنظیمیں اگر انسانی خدمت کے کاموں کو اسی اخلاص اور ایثار سے انجام دیتی رہیں گی، تو عیسائی مشنریز کا کام مشکل ہو جائے گا اور اسلام کی پیش رفت جاری رہے گی۔ چنانچہ بہت سے رفاہی ادارے آج امریکہ کے قہر کا شکار ہو چکے ہیں۔

پڑوسی ملک پاکستان میں سماجی خدمت کی دو تنظیمیں الرشید ٹرسٹ اور الاختر ٹرسٹ پر فروری ۲۰۰۷ء میں چھاپہ ماری ہوئی اور ان کے دفاتر بند کیے گئے۔[۳۲] سعودی عرب اور کویت کے متعدد رفاہی اداروں اور تنظیموں نے تعلیمی، رفاہی اور راحت رسانی کے لیے امداد بند کردی۔ بھارت میں ہندو اور عیسائی تنظیمیں بیرونی ممالک سے بڑی رقمیں وصول کرتی ہیں اور مسلمانوں کے لیے راستے اگر بند نہیں تو تنگ ضرور ہیں۔ ان حالات میں بڑی حکمت اور بصیرت سے انسانی خدمت کے مشن کو آگے بڑھانے کی ضرورت ہے۔ چراغ مصطفوی آندھیوں کی زد میں ہے، اس کی حفاظت کے لیے مسلمانوں کو از سر نو سوچنا ہوگا اور راہ عمل متعین کرنی ہوگی۔ انسانی خدمت اور راحت رسانی کا کام چھوڑا نہیں جا سکتا کیوں کہ یہ اللہ کی رضا کے حصول کا معتبر ذریعہ ہے البتہ اس کی حکمت عملی بدلتے ہوئے حالات کو سامنے رکھ کر طے کی جانی چاہیے۔

حوالہ جات

۱۔ سورہ بنی اسرائیل، آیت ۹۵

۲۔ سورہ التوبہ، آیت ۱۲۸

۳۔ الصحیح للبخاری، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ

۴۔ سورہ البقرہ ۱۷۷

Marfat.com

۵۔ سورہ الفجر، ۱۷ تا ۲۰
۶۔ سورہ یٰسین ۴۷

۷۔ سورہ التوبہ ۳۴
۸۔ سورہ البقرہ ۸۳

۹۔ عہد نامہ جدید، متی باب ۲۵، آیت ۳۱ تا ۴۴

۱۰۔ الصحیح للبخاری، کتاب الاطعمہ، باب قول اللہ کلوا من طیبات ما رزقنا کم

۱۱۔ سورہ البلد، ۱۱ تا ۱۸

۱۲۔ الصحیح لمسلم، کتاب البر والصلۃ والادب، باب فضل عیادۃ المریض

۱۳۔ مشکوۃ المصابیح، باب الشفقۃ، الفصل الثالث

۱۴۔ سورہ الدھر، ۸ تا ۱۰

۱۵۔ الصحیح للبخاری، کتاب الادب، باب من یعول یتیما

۱۶۔ سورہ الحج ۳۹
۱۷۔ سورہ النساء ۷۵

۱۸۔ الصحیح للبخاری، الصحیح لمسلم، کتاب الزہد، باب فضل الاحسان الی الارملۃ

۱۹۔ سورہ بنی اسرائیل ۷۰
۲۰۔ سورہ تین ۴

۲۱۔ سورہ محمد ۳۸
۲۲۔ سورہ المعارج ۲۴، ۲۵

۲۳۔ سنن ترمذی، کتاب الجہاد، باب فی الاستفتاح لصعالیک المسلمین، بخاری، کتاب الجہاد، باب من استعان بالضعفاء

۲۴۔ سورہ الروم، ۳۸
۲۵۔ سورہ الحشر، ۹

۲۶۔ الصحیح للبخاری، کتاب الجنائز، باب من استعد الکفن فی زمن النبی ﷺ

۲۷۔ ایضاً، کتاب التفسیر، باب قولہ ویوثرون علی انفسھم

۲۸۔ الصحیح لمسلم، کتاب الوصیۃ، باب مایلحق الانسان من الثواب بعد وفاتہ

۲۹۔ الصحیح للبخاری، کتاب الشروط، باب الشرط فی الوقف، مسلم، کتاب الوصیۃ، باب الوقف

۳۰۔ سنن ترمذی، ابواب المناقب، باب مناقب عثمان ابن عفان

۳۱۔ سید سلیمان ندوی، سیرت النبی، دارالمصنفین، اعظم گڑھ، جلد ۴، ص ۱۴۲، ۱۴۳

۳۲۔ ماہنامہ ترجمان القرآن، لاہور، اپریل ۲۰۰۷ء، ص ۲۳

Marfat.com

علم اور اخلاق - اسوۂ رسول پاکؐ

Marfat.com

قرآن پاک کی ۶۸ ویں سورہ القلم کے نام سے موسوم ہے، اس سورہ کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے دواۃ، قلم اور تحریر کی قسم کھائی ہے، ارشاد ہے:

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ مَا أَنتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ
وَإِنَّ لَكَ لَأَجْراً غَيْرَ مَمْنُونٍ وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ [۱]

"ن اور قلم اور جو اہل قلم لکھتے ہیں اس کی قسم کہ اے محمدؐ تم اپنے رب کے فضل سے دیوانے نہیں ہو اور تمہارے لیے بے انتہا اجر ہے اور تم اخلاق عظیم پر فائز ہو۔"

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے "ن" کی تفسیر دواۃ سے کی ہے۔[۲]

قرآن پاک میں قلم کا تذکرہ چار مقامات پر آیا ہے۔ پہلی مرتبہ سورہ آل عمران میں جب حضرت مریم کی کفالت کے لیے لوگوں نے قرعہ اندازی کی اور اپنی قسمت آزمائی کی تو قرآن نے اس منظر کو اذیلقون اقلامھم سے تعبیر کیا ہے۔ دوسری جگہ سورہ لقمان میں اللہ کی بے انتہا حکمت اور معرفت کی تعبیر کے لیے کہا گیا ہے کہ اگر دنیا کے سارے شجر قلم بن جائیں تو اللہ کے کلام کا احاطہ نہ کرسکیں۔ " ولو انما فی الارض من شجرۃ اقلام " تیسری جگہ سورہ العلق میں کہا گیا ہے کہ اللہ نے انسان کو قلم کے ذریعہ علم عطا کیا ہے (علم بالقلم) اور چوتھی جگہ یہ ہے کہ اس میں ناموس قلم کی قسم کھائی گئی ہے۔

عام طور پر انسان اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتا ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ خود قلم کی قسم کھا رہا ہے۔ انسان کی قسم عظمت و اعتبار کے لیے ہوتی ہے اور اللہ کی قسم شہادت کے لیے ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے

Marfat.com

پہلے قلم کو پیدا کیا اور اسے لکھنے کا حکم دیا۔ پھر اس نے کائنات کی تخلیق کی۔ سے اس طرح قلم انسانی زندگی کی ترقی کا نیوکلیس قرار پایا۔ انگریزی کا ایک مقولہ ہے The pen is mightier than sword قلم تلوار سے زیادہ طاقت ور ہے۔ تلوار صرف مدِّ مقابل کو زیر کرتی ہے جب کہ قلم کی طاقت موجود اور غائب سب کو زیر کر سکتی ہے۔ تلوار کا اثر وقتی ہوتا ہے اور قلم کا اثر دائمی ہوتا ہے۔ تلوار رکاوٹ کو دور کرتی ہے اور قلم صرف رکاوٹ ہی دور نہیں کرتا بلکہ ترقی کی راہ بھی دکھاتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قلم کی قسم کھائی ہے۔

قلم کی دریافت سے پہلے انسان اپنی معلومات کی حفاظت اور ترسیل کے لیے اپنے حافظہ سے کام لیتا تھا اور آج بھی حافظہ انسانی معلومات کو جمع کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ مگر حافظہ کے ساتھ مجبوری یہ ہے کہ اس میں جمع کیے ہوئے علم میں بھولنے اور محو یا مسخ ہو جانے کا امکان رہتا ہے۔ صرف حافظہ کی مدد سے کسی بھی علم کو من وعن دوسری نسل تک نہیں پہونچایا جا سکتا۔ چنانچہ وہ آسمانی کتابیں تحریف کا شکار ہو چکی ہیں جن کا انحصار صرف زبانی روایت پر تھا۔

یہ کمزوری قلم کے ساتھ نہیں ہے۔ قلم کے ذریعہ محفوظ کی گئی چیز مٹنے اور بھولنے سے بہت حد تک پاک رہتی ہے اور اسے بعینہٖ ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل کیا جا سکتا ہے۔ اس سے اہم بات یہ ہے کہ یادداشت کو نسل در نسل ارتقا کے مراحل سے گزار کر عروج تک پہونچانا مشکل ہے، جب کہ قلم کے ذریعہ دائرہ معلومات کو وسعت دینا اور کسی بھی شعبہ علم کو تنوع اور ترقی دینا آسان ہے۔ اس وقت جو دنیا میں علوم وفنون کی ترقی نظر آتی ہے وہ قلم کی دین ہے۔ بلکہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ حافظہ اور قلم کے علمی تعاون کی دین ہے۔ اسی لیے رسول پاک ﷺ نے وحی الٰہی کی حفاظت کے لیے زبانی یاد کرنے اور لکھنے دونوں کا اہتمام فرمایا۔

قلم کا مقصد اور فنکشن ایک ہے، اگرچہ اس کی شکل زمانہ کے ساتھ بدلتی اور ترقی کرتی رہی ہے۔ سب سے پہلے انسان نے انگلیوں سے ریت پر لکھنے کا کام

Marfat.com

لیا، پھر درخت کی شاخ اور نرکل سے قلم کا کام لیا، پھر مور کے پر کو لکھنے کے لیے استعمال کیا، پھر انسان نے فاؤنٹن پن ایجاد کیا، پھر پنسل اور رفل استعمال کرنے لگا، پھر اس نے ٹائپ رائٹر دریافت کیا اور اب اس نے کمپیوٹر ایجاد کرلیا ہے۔ یہ سب آلہ تحریر یعنی قلم کی ابتدائی اور ترقی یافتہ شکلیں ہیں۔ ممکن ہے کہ مستقبل میں کوئی اور ترقی یافتہ شکل پیدا ہو جائے۔

اللہ نے صرف قلم کی قسم نہیں کھائی بلکہ دواۃ اور تحریر کی بھی قسم کھائی ہے یعنی پورے نظام علم کی قسم کھائی ہے۔ انسان کے پاس علم دو ذریعوں سے آتا ہے۔ ایک وحی کے ذریعہ سے اور دوسرے مشاہدہ اور تجربہ کے ذریعہ سے۔ ایک کو علم بالوحی اور دوسرے کو علم بالسعی کہا جاتا ہے۔ وحی علم کا سرچشمہ ہے اس پر پورا قرآن شاہد ہے، قرآن کہتا ہے:

ذَٰلِكَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ أَجْمَعُوا أَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُونَ [۴]

''اے نبیؐ یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جسے ہم تم پر وحی کر رہے ہیں اور تم اس وقت موجود نہ تھے جب یوسفؑ کے بھائیوں نے آپس میں اتفاق کرکے سازش کی تھی۔''

حواس و مشاہدہ کے ذریعہ علم حاصل کرنے پر قرآن کہتا ہے:

وَاللَّهُ أَخْرَجَكُم مِّن بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ [۵]

''اللہ نے تمھیں تمھاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا اس حالت میں کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے، اس نے تمھیں کان، آنکھیں اور دل عطا کیے تاکہ تم شکرگذار بنو۔''

* پہلے علم سے انسان اللہ کی معرفت حاصل کرتا ہے اور اس کے احکام معلوم کرتا ہے۔ جب کہ دوسرے علم سے کائنات کے رموز کی دریافت ہوتی ہے، اور یہ

Marfat.com

دونوں علم مل کر انسان کو دین و دنیا کی سعادت عطا کرتے ہیں۔ علم بالسعی کا موضوع حیات ہے اور علم بالوحی کا موضوع نجات ہے۔ علم بالوحی سے محرومی انسان کو بھیڑیا بنادیتی ہے اور علم بالسعی سے محرومی انسان کو بھیڑ بکری بنادیتی ہے۔ امریکہ اور عرب ممالک زندہ مثال ہیں۔

قلم دراصل ان دونوں طریقہ علم کی برکات کا امین ہے۔ قلم کے ذریعہ ان دونوں علوم کی اشاعت، حفاظت اور تدوین و تحقیق اور ترقی و ترویج کا کام لیا جاتا ہے۔ لہٰذا علم کی حیثیت کائنات کی عمارت اور قلم کی حیثیت اس کے معمار کی ہے۔ یہی وہ نکتہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے پہلے ہی خطاب میں واضح فرمایا:

اِقْرَأْ وَرَبُّکَ الْأَکْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۔[٦]

پڑھو تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا۔ قلم کا یہ مرکزی اور بنیادی کردار ہر زمانہ میں مسلم رہا ہے۔ بقول شورش کاشمیری مرحوم:

صفحہ کاغذ پہ جب موتی لٹاتا ہے قلم
ندرت افکار کے جوہر دکھاتا ہے قلم
بندگانِ علم و فن کی خلوتوں کا آشنا
ان کے فکر وفہم کی باتیں سناتا ہے قلم
یادگاروں کا محافظ تذکروں کا پاسباں
گم شدہ تاریخ کے اوراق لاتا ہے قلم
شاعروں کے والہانہ زمزموں کی آبرو
دانش و حکمت کی راہوں کو سجاتا ہے قلم
اہل دل، اہل سخن، اہل نظر، اہل وفا
ان کے خط وخال کا نقشہ جماتا ہے قلم

اللہ نے قلم کی قسم کھا کر کائنات کی وسعت، انسان کی عظمت اور علم کی حرمت سب کچھ کی قسم تین باتوں کے لیے کھائی ہے۔ ان تینوں کا تعلق آخری رسول محمد ﷺ کی ذات وصفات اور تعلیمات سے ہے، منصب اور مقصد سے ہے، مشن اور مصروفیت سے ہے۔

ان میں پہلی بات یہ کہی گئی ہے کہ اللہ کے فضل سے اے محمدؐ آپ دیوانے نہیں ہیں۔ انسانی تاریخ کا یہ المیہ رہا ہے کہ علم وحکمت، اخلاق و کردار اور تعمیر و ترقی کی باتیں کرنے والے حضرات جاہلوں اور پست ذہن لوگوں کے درمیان مجنوں اور

Marfat.com

دیوانے قرار دیئے گئے۔ بہ قول قرآن:

كَذٰلِكَ مَا أَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِم مِّنْ رَّسُوْلٍ إِلَّا قَالُوا سَاحِرٌ أَوْ مَجْنُوْنٌ ٧

''اسی طرح اس سے پہلے لوگوں کے پاس جو رسول آیا اس کو ان لوگوں نے کہا کہ یہ جادوگر یا دیوانہ ہے۔''

اس المیہ کا زیادہ حساس پہلو یہ ہے کہ آخری رسول محمد ﷺ جن کو خود مکہ کے مشرکین نہایت سنجیدہ معقول، بردبار، امانت دار اور صادق سمجھتے تھے محض اس بنا پر مجنون اور دیوانہ قرار دیئے گئے کہ وہ حکمت اور دانائی اور ایمان واخلاق کی روشنی پھیلاتے تھے اور جاہلیت کی تاریکی کو نور الٰہی سے دور کر رہے تھے۔ بَلْ قَالُوا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ بَلِ افْتَرَاهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ٨

ان لوگوں نے کہا یہ پریشاں خواب ہے بلکہ جھوٹ باندھ لیا ہے بلکہ وہ شاعر ہے۔

وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ ٩

''ان کافروں نے کہا کہ اے وہ شخص جس پر قرآن اترا ہے تو بے شک دیوانہ ہے۔''

علم وحکمت اور حق ومعرفت پر دیوانگی کا الزام لگانے والے وہ لوگ تھے جنھوں نے کبھی ہاتھ میں قلم نہیں اٹھایا، کبھی علم کی عظمت کا تصور نہیں کیا، کبھی معرفت کے موتی نہیں چنے اور جن کو کبھی تفقہ سے واسطہ نہیں پڑا۔ اگر ان کو قلم اور کتاب اور علم سے واسطہ ہوتا تو وہ ضرور حکمت کے موتی اور جہالت کے سنگ ریزوں میں فرق کرتے۔ رات کی تاریکی اور دن کی روشنی میں تمیز کرتے۔ جن لوگوں میں یہ تمیز تھی انھوں نے پہچان لیا کہ یہ دیوانے کی بڑ نہیں ہے بلکہ علم وحکمت کا انمول خزانہ ہے جسے حاصل کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔

رسول پاک ﷺ کے پاس اکثم بن صفی اپنے قبیلہ کے سردار نے دو

Marfat.com

نمائندوں کو بھیجا۔ ان نمائندوں نے رسول کریمؐ سے پوچھا کہ آپ کون ہیں اور آپ کا پیغام کیا ہے؟ رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ میں محمد بن عبداللہ ہوں، اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ رسول پاک نے اپنے پیغام کی وضاحت کے لیے حسب ذیل آیت تلاوت فرمائی:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ وَإِيْتَاءِ ذِي الْقُرْبَى وَيَنْهَى
عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۞[۱]

''بے شک اللہ حکم دیتا ہے انصاف کا احسان کا اور قرابت داروں کو دینے کا اور روکتا ہے بدکاری سے منکر سے اور ظلم سے وہ تم کو نصیحت کرتا ہے شاید تم کو یاددہانی ہو۔''

اس آیت کو ان دونوں نمائندوں نے یاد کرلیا اور اکثم بن صفیؓ کو جا کر سنایا۔ آیت سن کر اکثم بن صفی نے اپنے قبیلہ کے لوگوں سے کہا:

انی لاراہ یامر بمکارم الاخلاق وینھی عن مذامھا
فکونوا فی ھذالامر راسا ولا تکونوا فیه اذنابا[۱]

''میں دیکھتا ہوں کہ یہ پیغمبر عمدہ اور اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں اور برے اخلاق سے روکتے ہیں۔ تو تم اس کو ماننے میں جلدی کرو۔ اس معاملہ میں سر بنو دم بن کر نہ رہو۔''

اللہ نے قلم اور علم کی قسم کھا کر یہ بتایا کہ قلم، کتاب اور علم کی حرمت اس پر شاہد ہے کہ محمدؐ کا فاضلانہ پیغام مہمل اور منتشر کلام نہیں ہے بلکہ ایک ایسا سنجیدہ اور شائستہ کلام ہے جس پر دنیا کی ہر فرزانگی قربان ہے اور کائنات کی ہر حکمت اس سے مستعار ہے۔ بہ قول اقبال:

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب — گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب
عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ — ذرہ ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب

دوسری بات جس پر قسم کھائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ''بے شک آپ کے لیے

Marfat.com

کبھی نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔" اجرت کا تعلق خدمت سے ہوتا ہے۔ انسان کی خدمت کا اجر محدود ہوتا ہے اور اللہ کی خدمت کا اجر بے پایاں، نبی انسان اور خدا دونوں کی خدمت کرتا ہے مگر اجر انسان سے نہیں چاہتا بلکہ اللہ سے لیتا ہے کیوں کہ اپنے رسول کا اجر اللہ ہی دے سکتا ہے۔

وَمَا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ ۱۲

"اور میں اس پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا میرا اجر تو پروردگار عالم پر ہے۔"

جس طرح محمد ﷺ کا مشن دائمی عالم گیر اور ہمہ گیر ہے اسی طرح ان کا اجر بھی دائمی اور عالم گیر ہے۔ جب تک آپ کا مشن زندہ رہے گا آپ کا اجر جاری رہے گا۔ جب تک سورج رہے گا روشنی باقی رہے گی۔ نبی کا اجر مادی نہیں بلکہ روحانی ہوتا ہے اس لیے لافانی ہوتا ہے۔

اب تک دنیا میں جتنے مصلح، مفکر اور پیغمبر آئے ان کا کام اور پیغام یا تو ختم ہوگیا، یا مٹ گیا یا تحریف و تبدیلی کا شکار ہوگیا، مگر محمد ﷺ کا پیغام زندہ اور تابندہ رہے گا۔ ہر زمانہ میں انسانی آبادی کا ایک بڑا حصہ اس پر جان و دل نثار کرے گا اور دوسرا بڑا حصہ آپ کی عظمت کا اعتراف کرے گا۔ دنیا ختم ہوجائے گی مگر آپ کا اجر باقی رہے گا۔ کیوں کہ آپ نے انسانیت پر احسان کیا ہے۔ آپ نے علم و عمل کا نور پھیلایا ہے اور نور کبھی فنا نہیں ہوتا۔ اس وقت دنیا کا ہر پانچواں انسان آپ کا کلمہ گو اور ثنا خواں ہے۔

اگر ایک ڈاکٹر کسی مریض کی جان بچانے میں کامیاب ہوجائے تو زندگی بھر کے لیے اس کے دل میں اپنی جگہ بنالیتا ہے۔ اگر ایک معلم کسی شاگرد کو فضل و کمال کے مرتبہ تک پہونچادے تو شاگرد ہمیشہ کے لیے اس کا شرمندہ احسان ہوجاتا ہے۔ رسول پاک ﷺ نے دنیائے انسانیت کو جو علمی بلندی اور اخلاقی پاکیزگی عطا کی ہے اس نے پوری دنیا کو آپ کا ثنا خواں بنادیا ہے اور اللہ نے مزید آپ کا رتبہ اس طرح بلند کردیا ہے کہ دنیا کے ہر خطے میں روزانہ پانچ مرتبہ آپ کا ذکر خیر ہوتا ہے اور آپ کا

Marfat.com

اجر بڑھتا رہتا ہے۔

اک نام مصطفیٰ ہے جو بڑھ کر گھٹا نہیں ورنہ ہر اک عروج میں پنہاں زوال ہے

تیسری چیز جس پر قلم کتاب اور دواۃ کی قسم کھائی گئی وہ یہ ہے کہ "بے شک آپ اخلاق عظیم پر فائز ہیں۔ قلم آلہ نشر و اشاعت اور ذریعہ ابلاغ و ترسیل ہے۔ اس کا استعمال خیر و شر اور نیک و بد دونوں مقاصد کے لیے کیا جا سکتا ہے بلکہ کیا جاتا ہے۔ ادیب کا قلم پاکیزگی کا درس بھی دے سکتا ہے اور عریانیت کا نقیب ہو سکتا ہے، عالم کا قلم محبت کی فصلیں بھی اگا سکتا ہے اور نفرت کا بیج بھی بو سکتا ہے۔ دانشور کا قلم ایمان افروز بھی ہو سکتا ہے اور الحاد کی تحریک بھی چلا سکتا ہے، صحافی کا قلم امن و آشتی کے مضامین بھی اگل سکتا ہے اور فتنہ و فساد کا شوشہ بھی چھوڑ سکتا ہے حکمراں کا قلم زندگی نواز بھی ہو سکتا ہے اور مضرت رساں بھی ہو سکتا ہے۔ یہ قلم استعمال کرنے والے کی ذہنیت، ضرورت، نظریہ اور مقصد پر منحصر ہے کہ وہ سے کیوں اور کیسے استعمال کرتا ہے۔ اسی لیے ضرورت پڑتی ہے کہ قلم سے کام لینے والے ہاتھ کی تربیت کی جائے اور قلم چلانے والے دماغ کو اقدار عالیہ کا پابند بنایا جائے۔ جو اقدار صاحب قلم کی تہذیب و تربیت کرتے ہیں ان کے مجموعہ کا نام اخلاق ہے۔

اگر صاحب قلم اخلاقی اصولوں کا پابند نہ ہو تو اس کا قلم چور کے ہاتھ کے چاقو سے کم خطرناک نہیں اور اگر وہ اخلاقی اصولوں کا پابند ہے تو رہنما کے چراغ سے کم مقدس نہیں ہے۔ اسی لیے قلم کی شہادت، اخلاقی قدروں کی رفعت کے لیے لی گئی ہے اور پیغمبر آخر الزماں کو اخلاقی اصولوں کے اعلیٰ معیار کے حامل اور مبلغ ہونے کی علامت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ وانک لعلی خلق عظیم۔ ایک عظیم شہادت اخلاق محمدی کے لیے ہے۔

عظمت اخلاق آخری نبی ﷺ کا امتیاز ہے۔ یوں تو سارے انبیا دنیا میں اخلاق کی تعلیم دینے کے لیے آئے مگر آخری رسول صرف اخلاق کی تعلیم دینے نہیں آئے بلکہ اخلاق کی تکمیل کے لیے تشریف لائے۔ قرآن ہدایت الٰہی کی آخری

Marfat.com

کتاب ہے اور محمد ﷺ اس ہدایت کے آخری رسول ہیں۔قرآن نظریہ اخلاق ہے اور رسول ﷺ نمونہ اخلاق ہیں۔ جب نظریہ عمل میں ڈھلتا ہے تو کمی بیشی عموماً ہو جاتی ہے۔مگر یہاں اخلاق کا نظریہ جتنا معقول اور مستحکم ہے اتنا ہی مستحکم اخلاق کا نمونہ بھی ہے۔اسی لیے تو قرآن نے کہا ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَة ۔۱۳

دنیا کے بیشتر مفکرین اور معلمین اخلاق کا درس خوش نما خواب نظر آتا ہے۔ مگر جب ان کے قریب جائیے تو ڈراؤنا خواب ہو جاتا ہے، یہ فرق فکر وعمل کے تضاد اور گفتار و کردار کے اختلاف کی بنا پر ہے۔مگر رسول پاک ﷺ کا معاملہ یہ ہے کہ ان کا گفتار جتنا پاکیزہ ہے کردار اتنا ہی پاکیزہ نظر آتا ہے۔تعلیم جتنی روشن نظر آتی ہے سیرت اتنی ہی صیقل دکھائی دیتی ہے۔کہیں کوئی جھول نہیں، کہیں کوئی کھوٹ نہیں، سماجی زندگی اور ذاتی زندگی کی تفریق نہیں۔

دنیا کے سارے مذاہب عبادت پر زور دیتے ہیں۔مگر اسلام کا امتیاز یہ ہے کہ اس نے عبادت کے ساتھ علم اور اخلاق کو بھی جوڑا ہے کیوں کہ تینوں عناصر سے مل کر انسان کا وجود مکمل ہوتا ہے۔عبادت دل کی غذا ہے، علم ذہن ودماغ کی غذا ہے اور اخلاق دل ودماغ دونوں کی غذا ہے۔رسول پاک ﷺ نے علم اور عبادت کی زینت اخلاق کو بتایا ہے اور میزان عمل میں سب سے زیادہ باوزن اخلاق کو قرار دیا ہے۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

البر حسن الخلق والاثم ماحاک فی صدرک وکرهت ان يطلع الناس عليه ۱۴

"نیکی حسن اخلاق کا نام ہے اور برائی وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تمہیں ناپسند ہو کہ لوگ اسے جانیں۔"

مامن شئ اثقل فی میزان العبد المومن یوم القیامة من حسن الخلق۔۱۵

Marfat.com

''قیامت کے دن مومن کے میزان عمل میں کوئی چیز حسن اخلاق سے زیادہ باوزن نہ ہوگی۔''

ان المومن لیدرک بحسن خلقه درجة الصائم القائم۔١٦

''مومن اپنے حسن اخلاق کی وجہ سے ہمیشہ روزہ رکھنے والے اور تہجد گزار کا مرتبہ حاصل کرے گا۔''

ان من احبکم الی واقربکم منی مجلسا یوم القیامة احاسنکم اخلاقا۔١٧

''تم میں سب سے زیادہ محبوب اور قیامت کے دن میری مجلس میں سب سے قریب وہ ہوگا جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں گے۔''

قلم قانون عطا کرتا ہے اور اخلاق قانون کو تسلیم کرنے کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ قلم اور اخلاق کا رشتہ اگر منقطع ہوجائے تو زندگی سے قانون کی رہنمائی ختم ہوجائے گی اور انسانی معاشرہ زوال پذیر ہوجائے گا۔

امت مسلمہ کو قلم اور کردار کے اسی رشتہ سے جوڑنے کی اس زمانہ میں ضرورت ہے۔ قلم اور کردار کی گم شدگی پر شاعر مشرق نے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ہے:

آتی ہے دم صبح صدا عرش بریں سے ۔۔۔ کھویا گیا کس طرح تیرا جوہر ادراک
کس طرح ہوا کند تیرا نشتر تحقیق ۔۔۔ ہوتے نہیں کیوں تجھ سے ستاروں کے جگر چاک
اب تک ہے رواں گرچہ لہو تیری رگوں میں ۔۔۔ نے گرمی افکار، نے اندیشہ بے باک
روشن تو وہ ہوتی ہے جہاں بیں نہیں ہوتی ۔۔۔ جس آنکھ کے پردوں میں نہیں ہے نگہ پاک

امت مسلمہ کو جس آنکھ کی ضرورت ہے وہ جہاں بیں بھی ہو اور پاکیزہ بھی، جہاں بینی تو علم سے آتی ہے اور پاکیزگی اخلاق سے اور یہ دونوں نعمتیں سیرت رسول میں بدرجۂ اتم موجود ہیں، اس کے اتباع کی ضرورت ہے۔

Marfat.com

حوالہ جات

۱۔ سورہ القلم: ۱،۴

۲۔ محمود آلوسی، روح المعانی، ادارۃ الطباعۃ المصطفائیہ، دیوبند، جلد ۲۸، ص ۲۵

۳۔ ابن جریر الطبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، المطبعۃ الیمنیۃ، مصر، جلد ۲۹، ص ۸

۴۔ سورہ یوسف: ۱۰۲

۵۔ سورہ النحل: ۷۸

۶۔ سورہ العلق: ۴،۳

۷۔ سورہ الزاریات: ۵۲

۸۔ سورہ الانبیاء: ۵

۹۔ سورہ الحجر: ۶

۱۰۔ سورہ النحل: ۹۰

۱۱۔ تفسیر روح المعانی، جلد ۱۴، ص ۲۱۹

۱۲۔ سورہ الشعراء: ۱۰۹

۱۳۔ سورہ الاحزاب: ۲۱

۱۴۔ الصحیح لمسلم، کتاب البرّ والصلۃ، باب تفسیر البر والاثم

۱۵۔ سنن ترمذی، ابواب البرّ والصلۃ، باب ماجاء فی حسن الخلق

۱۶۔ سنن ابی داود، کتاب الادب، باب فی حسن الخلق

۱۷۔ سنن ترمذی، ابواب البرّ والصلۃ، باب ماجاء فی حسن العہد

Marfat.com

ہجرتِ حبشہ مسلم اقلیت کے لیے اسوہ

Marfat.com

مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اسوہ رسولؐ کی بڑی اہمیت اور قدر و قیمت ہے۔ یہ اسوہ مسلمانوں کے لیے مشعلِ راہ بھی ہے اور معیار ہدایت بھی ہے۔ اسی لیے مسلمان جہاں کہیں اور جن حالات میں ہوتا ہے اپنے مسائل کا حل رسول اللہ ﷺ کے اسوہ میں ڈھونڈتا ہے اور اپنی زندگی کا سفر اسی کی رہنمائی میں طے کرتا ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو راستہ سے بھٹک جائے گا، منزل اس سے دور ہو جائے گی، وہ اپنی قومی پہچان اور تہذیبی تشخص کو بھی کھو دے گا اور مقصد حیات سے بھی محروم ہو جائے گا۔

اس وقت مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ایسے ملکوں میں آباد اور مقیم ہے جہاں مسلمانوں کی حکومت اور اکثریت نہیں ہے۔ اکثریت دوسری قوموں کی ہے اور حکومت بھی انہی کی ہے۔ ان میں بعض ممالک تو وہ ہیں جہاں کسی عہد میں مسلمانوں کی حکومت تھی مگر انقلاب زمانہ نے ان کی حکومت کو ختم کر دیا اور ان کی جگہ وہاں کے دوسرے باشندوں نے لے لی، مثلاً بھارت، یوگنڈا، ہسپانیہ، گرجستان وغیرہ۔ اور بعض ممالک وہ ہیں جہاں مسلمان تلاش معاش اور ملازمت و تجارت کی خاطر گئے، وہاں جا کر آباد ہو گئے اور وہاں کی شہریت اختیار کر لی، یا وہاں کے مقامی باشندوں نے قبول اسلام کیا۔ جیسے برطانیہ، امریکہ، اسٹریلیا، جاپان وغیرہ اور بعض ممالک وہ بھی ہیں جہاں مسلمان ابتداء ہی سے قبول اسلام کے بعد مقیم ہیں اور اقلیت کے طور پر رہ رہے ہیں، مثلاً نیپال اور چین وغیرہ۔ ان ممالک میں مسلمانوں کو مختلف قسم کے سماجی، معاشی، سیاسی، مذہبی اور تہذیبی مسائل و مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بہت سے مسائل ملکوں، حکومتوں اور معاشروں کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں اور بہت سے مسائل مزاج اور نوعیت کے اعتبار سے

Marfat.com

یکساں ہوتے ہیں۔ مسلمان اپنے مسائل کو حل کرنے کے لیے جہاں ملکی قانون اور معاشرتی طور وطریق کا سہارا لیتا ہے وہاں وہ اپنے مذہبی حوالہ اور تہذیبی ورثہ کی طرف بھی دیکھتا ہے۔ یعنی وہ مقصد زندگی اور ضرورت زندگی دونوں میں توازن اور ہم آہنگی قائم کر کے اپنے وجود کو باقی رکھنا چاہتا ہے۔

ان ممالک میں جہاں مسلمانوں کے علاوہ دوسری قومیں رہتی اور بستی ہیں اور ایک مذہب کے بجائے کئی مذاہب اور ایک قومیت کے بجائے کئی قومیتوں کے لوگ ایک ساتھ رہتے ہیں، اسوۂ رسول سے استفادہ اور راہ نمائی حاصل کرنے کی اگر سعی کی جاتی ہے تو ہمارا ایک مذہبی طبقہ رسول کریمؐ کی مکی زندگی کو اسوۂ کاملہ قرار دیتا ہے، کیونکہ کفار ومشرکین کے درمیان رہ کر جن مشکلات ومصائب کا آپ نے مقابلہ کیا اور جس طرح صبر واستقامت اور حکمت کے ساتھ دین کی دعوت دی اس سے بڑھ کر کوئی اور قابل تقلید نمونہ نہیں ہوسکتا۔

دوسرا مذہبی طبقہ مدنی زندگی کو اسوہ کاملہ کے طور پر دیکھتا ہے، کیونکہ احکام کی تکمیل، سماجی اور سیاسی اصولوں کی تطبیق اور تکمیل اسلام کا مرحلہ یہی ہے اور ہمیشہ کے لیے رہنما ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مکی اور مدنی دونوں زندگیاں احتیاج واختیار کے لحاظ سے اپنی اپنی اہمیت رکھتی ہیں اور اجتماعی معاملات میں ہمارے لیے دلیل راہ کا کام دیتی ہیں، مگر رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی کا اتباع اور انطباق مومن کا نصب العین ہے، اس لیے اس کے ہر پہلو کو نظر میں رکھنا ضروری ہے اور ہر مرحلہ دعوت سے رہنمائی حاصل کرنا ناگزیر ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی دعوتی زندگی میں ایک اہم مرحلہ جو عموماً نظر انداز ہوجاتا ہے حالاں کہ کثیر قومی معاشرہ میں براہ راست ہماری رہنمائی کرسکتا ہے وہ ہجرت حبشہ کا ہے۔ ہجرت حبشہ ۶۱۵ء یعنی نبوت کے پانچویں سال ہوئی تھی اور حبشہ سے مسلمانوں کی واپسی مختلف وقتوں میں ہوئی آخری وفد میں حضرت جعفر طیار مدینہ

Marfat.com

منورہ ۷ھ میں تشریف لائے۔ اس طرح حبشہ میں مسلمانوں کے قیام کی مدت اوسطاً پندرہ سال ہوتی ہے۔

محدثین اور سیرت نگاروں نے ہجرت حبشہ کا بیان اختصار سے کیا ہے۔ مہاجر صحابہ کرام کی حبشہ کی زندگی کی تفصیلات اور مقامی باشندوں کے ساتھ ان کے تعلقات اور لین دین کی جزئیات کا احاطہ نہیں کیا ہے۔ اس کے باوجود جو کچھ معتبر روایات اور تاریخی واقعات سے ثابت ہوتا ہے وہ بجائے خود اتنا روشن اور حوصلہ بخش ہے کہ آج ہم ان کی روشنی میں تکثیری معاشرہ میں مسلمانوں کے اجتماعی حالات کو دیکھ سکتے ہیں اور لائحہ عمل طے کر سکتے ہیں۔

ہجرت کی اسلام میں جو اہمیت ہے اس کے متعلق اتنا جان لینا کافی ہے کہ رسول پاک ﷺ نے اسے تمام گناہوں کا خاتمہ کرنے والا بتایا ہے۔ الاسلام یهدم ماکان قبله والهجرة تهدم ماکان قبلها ۔[1] اسلام ماقبل کے سارے گناہ ختم کر دیتا ہے اور ہجرت ماقبل کے سارے گناہ مٹا دیتی ہے۔

ہجرت حبشہ اسلام میں پہلی ہجرت تھی، یہ ہجرت جن حالات میں ہوئی وہ اسلام اور پیغمبر اسلام اور جانثارانِ اسلام کے لیے نہایت صبر آزما اور حوصلہ شکن تھے، قریش کی مخالفت کا طوفان تضحیک، طنز اور دشنام طرازی کی حدوں سے گذر کر جسمانی اذیتوں، ناقابل برداشت زیادتیوں اور قتل و غارت گری میں داخل ہو چکا تھا، ایمان آزمائش میں اور جان خطرہ میں تھی۔ ابن اسحاق کے بیان میں اس کی ہلکی سی جھلک ملتی ہے۔

''کفار نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں پر دشمنی کی انتہا کر دی، ہر قبیلہ اپنے اندر کے مسلمانوں پر حملہ آور تھا، وہ ان کو قید کرتا، ان کو مارتا پیٹتا اور ٹارچر کرتا، ان کو بھوکا پیاسا رکھتا اور جب دھوپ تیز ہو جاتی تو مکہ کی تپتی ہوئی ریت پر لٹا دیتا، جو کمزور مسلمان ہوتے ان کو اذیت دے کر دین سے باز رکھتا، چنانچہ بعض مسلمان ناقابل برداشت ظلم سے مجبور ہو کر دین سے پھر جائے اور بعض ہمت اور حوصلہ سے

Marfat.com

کام لیتے اور اللہ ان کی حفاظت کرتا''۔ ۲؎

نبی علیہ کے لیے ان حالات میں ایک ہی راستہ تھا کہ وہ اپنے ساتھیوں کو مکہ چھوڑ کر کہیں اور چلے جانے کا حکم دیں۔ مگر سوال یہ تھا کہ آخر کہاں جائیں، کون سا ملک ان کو اپنے یہاں پناہ دے گا؟ جس طرح قریش اختلاف مذہب کی بنا پر قتل و غارت گری پر آمادہ تھے اسی طرح ہر ملک کے لوگ اپنے مذہب کا مخالف سمجھ کر یہی سلوک کریں گے۔ سرزمینِ حجاز سے ملی ہوئی سرحد ملک یمن کی تھی، آپؐ اہلِ یمن کی حکمت کے قائل تھے اور یمن میں آپ کے بعض صحابہ بھی موجود تھے، چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ یمن ہی کے رہنے والے تھے، رسول پاک کے پاس حاضر ہوئے، ایمان لائے اور ایمان و عمل کی اصولی تعلیمات حاصل کر کے یمن واپس چلے گئے۔ ۳؎ مگر آپؐ نے اپنے ساتھیوں کو یمن ہجرت کرنے کا حکم نہیں دیا، کیونکہ وہاں کا حکمراں ظالم تھا، جس سال آپؐ کی پیدائش ہوئی اسی سال وہاں کے گورنر ابرہہ نے ہاتھیوں کا لشکر لے کر خانہ کعبہ کو مسمار کرنے کے لیے مکہ پر حملہ کر دیا تھا۔ حضور کے دادا عبدالمطلب نے اس موقع پر رب کعبہ سے جو التجا کی تھی اس کا یہ مشہور شعر ہے۔

لاھمّ ان العبد یمنع رحلہ فامنع حلالک

لا یغلبو فی صلیبھم و محالھم ابدا محالک ۴؎

اے اللہ! بندہ اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے تو اپنے گھر کی حفاظت فرما، کبھی ان کی صلیب اور ان کی تدبیریں تیری تدبیروں پر غالب نہ آئیں۔

دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ اہل یمن سے اہل مکہ کی شناسائی تھی، مسلمان وہاں ہجرت کر کے جاتے تو اہل مکہ باسانی اہل یمن کو ان کو واپس کرنے پر آمادہ کر لیتے، ہجرت کا عمل بے معنی ہو کر رہ جاتا اور کفار کا تشدد اور بڑھ جاتا۔

رسول پاک علیہ کی نگاہ انتخاب جزیرہ نمائے عرب سے باہر دوسرے بر اعظم افریقہ کے ملک حبشہ پر اٹھی۔ اگرچہ اس ملک کا بھی سرکاری مذہب عیسائیت

Marfat.com

تھی، مگر وہاں کا حکمراں انصاف پسند تھا۔ عرب اور حبشہ کے درمیان سمندر حائل تھا، وہاں سے مہاجرین کو واپس لانا قدرے آسان نہ تھا۔ چنانچہ حضرت رسالت ماب ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا:

"لو خرجتم الی الارض الحبشة فان فیها ملکا لا یظلم عنده احد وهی ارض صدق حتی یجعل الله لکم خرجا مما انتم فیه" ۵

(تم لوگ سرزمین حبشہ کو نکل جاو، وہاں کا بادشاہ ایسا انصاف پسند ہے کہ اس کے یہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا، وہ سچائی کی سرزمین ہے، تا آنکہ اللہ تعالیٰ تم کو ان مصیبتوں سے نجات دے جن میں آج تم گھرے ہوئے ہو)

اس ہجرت میں خود رسول کریم ﷺ شامل نہ تھے، بلکہ آپ مکہ میں مقیم رہے، کفار کے ظلم وستم برداشت کرتے رہے اور دین کی دعوت پر لگے رہے۔ شاید اس میں یہ مصلحت شامل رہی ہو کہ ساتھیوں کو حبشہ بھیج کر اور خود مکہ میں رہ کر اسلام کے پیغام کو آفاقی سطح پر پیش کر سکیں گے۔ اس طرح اسلام کے لیے دو مراکز عرب اور افریقہ میں بن جائیں گے۔

حضور ﷺ حبشہ کی حکومت اور معاشرت سے متعارف تھے۔ آپ کے گھر میں دایہ حضرت ام ایمن کا تعلق حبشہ سے تھا اور حضرت بلال حبشی کے والدین بھی حبشہ ہی کے تھے۔

بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی سے رسول اللہ ﷺ کے خاندانی مراسم بھی تھے، اسی لیے نجاشی کی شخصیت پر اعتماد کر کے اپنے صحابہ کو ان کے ملک بھیج رہے تھے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت جعفر طیارؓ کو ہجرت کے وقت رسول پاک نے ایک خط بھی دیا تھا کہ اسے نجاشی کو دے دینا۔ حدیث وسیرت کے موجودہ ریکارڈ کی بنا پر یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضور کی زندگی کا یہ پہلا خط تھا، اس

Marfat.com

سے پہلے غالباً آپ نے کوئی خط کسی کو نہیں لکھا، اس خط میں تحریر تھا کہ:

''میں اپنے چچازاد بھائی جعفر کو آپ کے پاس بھیج رہا ہوں اس کے ساتھ کچھ اور بھی مسلمان ہیں، جب یہ آپ کے پاس پہونچیں تو ان کی مہمان نوازی کریں'' ۶؎

دوسرا منظوم خط حضرت ابو طالب نے نجاشی کو اس وقت لکھا تھا جب مکہ کے سردار مہاجرین کو واپس لانے کے لیے دو نفری وفد حبشہ روانہ کر رہے تھے، اس خط میں لکھا تھا:

الا لیت شعری کیف فی النای جعفر
وعمرو واعداء العدو اقارب
فھل نال افعال النجاشی جعفرا
واصحابہ او عاق ذالک شاغب
تعلّم ابیت اللعن انک ماجدٌ
کریم فلا یشقی لدیک المجانب
تعلم بان اللہ زادک بسطۃً
واسباب خیر کلھا بک لازب
وانک فیض ذو سجال غزیرۃ
ینال الاعادی نفعھا والاقارب۔ ۷؎

کاش مجھے معلوم ہوتا کہ دور دراز علاقہ میں جعفر اور ان کے شدید ترین ہم وطن دشمن عمرو بن العاص کے درمیان کیا معرکہ ہوا، کیا جعفر اور ان کے ساتھیوں سے نجاشی نے حسن سلوک کیا، یا رکاوٹوں نے اس کا فیض روک دیا؟ اے نجاشی لعنت آپ سے دور ہے، آپ شریف اور معزز ہیں، آپ کے دربار میں کوئی اجنبی محروم نہیں رہ سکتا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو عزت و دولت اور ہر قسم کے اسباب خیر عطا کیے ہیں۔ آپ سخاوت کا گہرا سمندر ہیں جس سے دوست اور دشمن سبھی فائدہ

Marfat.com

اٹھاتے ہیں۔

ہجرت حبشہ کا سب سے مفصل بیان ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے جس کو امام احمد بن حنبل نے مسند میں ابن ہشام نے سیرۃ النبی میں اور ابو نعیم اصفہانی نے دلائل النبوۃ میں مکمل نقل کیا ہے۔ ماحصل اس روایت کا یہ ہے کہ دربار رسالت سے ہجرت کا حکم ملا تو حضورؐ کے جانثار ساتھیؓ حبشہ کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ ان میں گیارہ مرد اور پانچ عورتیں شامل تھیں، ان کے نام اس طرح ہیں۔

(۱) عثمان بن عفانؓ (۲) ان کی اہلیہ حضرت رقیہؓ بنت محمدؐ

(۳) عبدالرحمٰن بن عوف (۴) زبیر بن عوام

(۵) ابو حذیفہ بن عتبہؓ (۶) ان کی بیوی سہلہ بنت سہل

(۷) مصعب بن عمیر (۸) ابو سلمہ بن عبدالاسد

(۹) ان کی بیوی ام سلمہ (۱۰) عثمان بن مظعون

(۱۱) عامر بن ربیعہ (۱۲) ان کی بیوی لیلیٰ بنت ابی حثمہ

(۱۳) سہیل بن بیضاء (۱۴) ابو سیرہ بن ابی رہب عامری

(۱۵) ان کی بیوی ام کلثوم بنت سہل بن عمر (۱۶) حاطب بن عمر۔ 8

یہ ہجرت نبوت کے پانچویں سال ماہ رجب میں ہوئی تھی۔ سولہ افراد پر مشتمل مہاجرین کا یہ قافلہ جب شعیبہ کی بندرگاہ پر پہونچا تو ان کو حبشہ جانے والی دو کشتیاں مل گئیں اور وہ فوراً روانہ ہوگئے۔ اہل مکہ کو جب یہ اطلاع ملی تو انھوں نے ان کے پیچھے آدمی دوڑائے مگر اس وقت تک کشتیاں ساحل سے دور جاچکی تھیں لہذا وہ ناکام واپس لوٹے۔ 9

حبشہ میں نجاشی نے مہاجروں کا خیر مقدم کیا اور ان کو پناہ دی۔ شعبان اور رمضان کے دو ماہ حبشہ میں گذرے تھے کہ مسلمانوں کو یہ اطلاع ملی کہ مکہ کے کفار مسلمان ہوگئے ہیں اور ظلم وستم بند ہوگیا ہے، اس لیے یہ حضرات مکہ لوٹ آئے۔ مگر یہاں آکر معلوم ہوا کہ اطلاع غلط تھی۔ چنانچہ باثر مہاجرین اپنے کفار دوستوں کی

Marfat.com

پناہ لے کر مکہ میں مقیم رہے۔ ۱۰ کفار مکہ نے نئے سرے سے مسلمانوں پر مظالم ڈھانا شروع کیا اور اب زیادہ زور وشور سے اذیت پہونچائی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ مسلمانوں کو مکہ سے حبشہ ہجرت کرنے کی تلقین فرمائی، اس ہجرت میں ۸۳ مرد اور ۱۸ خواتین یعنی کل ۱۰۱ اصحابہ وصحابیات شریک رہے۔ ۱۱

اہل مکہ نے جب یہ سنا کہ نجاشی نے مہاجروں کو اپنے یہاں پناہ دی، ان کا خیر مقدم کیا اور ان کے ساتھ حسن سلوک کیا تو وہ اسے برداشت نہ کرسکے اور طے کیا کہ ہر حال میں مہاجروں کو حبشہ سے نکلوانا ہے اور مکہ واپس لانا ہے۔

حبشہ سے اہل مکہ کا تجارتی رابطہ تھا، چنانچہ دو تجربہ کار نمائندوں عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص کو نجاشی اور ان کے وزراء کے لیے تحفہ تحائف دے کر حبشہ روانہ کردیا، ان تحائف میں بیش تر چمڑے کی مصنوعات تھیں۔ کفار کے نمائندوں نے حبشہ پہونچ کر نجاشی کے تمام وزیروں کو تحفے پیش کیے اور ان سے وعدہ لے لیا کہ وہ بادشاہ کو مہاجرین کو واپس کرنے پر آمادہ کریں گے۔ قریشی نمائندے آخر میں نجاشی کی خدمت میں تحفے لے کر حاضر ہوئے اور عرض مدعا رکھا:

> ''چند بے وقوف نوجوان اپنے قومی دین کو چھوڑ کر آپ کے ملک میں آگئے ہیں مگر آپ کے دین میں داخل نہیں ہوئے، بلکہ ایک ایسے دین کا اتباع کرتے ہیں جس سے نہ ہم واقف ہیں اور نہ آپ۔ ان کی قوم کے بزرگوں نے ہمیں آپ کے پاس اس لیے بھیجا ہے کہ آپ ان کو لوٹا دیں، کیونکہ وہی لوگ ان کے سرپرست ہیں، وہی جانتے ہیں کہ ان میں کیا عیب ہے اور کیوں ان سے ناراض ہیں''۔ ۱۲

نجاشی سے وفد نے گذارش کی کہ ان مہاجروں کو اپنی بات کہنے کا موقع دیے بغیر ان کے حوالہ کیا جائے۔ وزیروں نے بھی وفد کی تائید کی اور بغیر مہاجروں کی بات سنے ان کو وفد کے حوالہ کرنے کی درخواست کی مگر بادشاہ انصاف پسند تھا

Marfat.com

فطری انصاف کے تقاضوں سے واقف تھا اس نے ناراضگی کا اظہار کیا اور کہا کہ میں اس طرح ان کو تمہارے حوالہ نہیں کرسکتا، جو لوگ میرے ملک میں آئے، میرے پڑوس میں رہے، میری پناہ کو دوسروں کے مقابلہ میں ترجیح دی، میں ان کو ضرور بلاؤں گا اور ان سے تمہارے عائد کردہ الزامات کے سلسلہ میں ضرور پوچھ گچھ کروں گا اگر وہ تمہارے الزامات کی تصدیق کریں گے تو میں ان کو تمہارے حوالہ کردوں گا اور واپس بھیج دوں گا اور اگر وہ دوسری بات کہتے ہیں تو میں ان کو ہرگز حوالہ نہیں کروں گا، بلکہ بدستور حسن سلوک کروں گا۔ ۱۳

مسلمانوں کی پریشانی یہ تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے اس قدر دوری پر تھے کہ براہِ راست ان سے رہنمائی حاصل کرنا ممکن نہ تھا، ہر مشکل کو خود ہی باہمی مشورہ سے حل کرنا تھا، ان کے پاس حضور کی اصولی رہنمائی تھی قریش کے نمائندے کے الزام اور مطالبہ کا جواب دینے کے لیے جب نجاشی نے صحابہ کرام کو بلوایا تو حضرات صحابہ نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس وقت کیا حکمت عملی اختیار کی جائے جس سے وہ کفار کے شکنجہ میں پھنسنے سے محفوظ رہ سکیں، اسلام کی تاریخ میں اجنبی ملک میں مسلمانوں کا یہ پہلا مقدمہ تھا اور اس پر اسلام کے مستقبل کا انحصار تھا۔ حضرت جعفر صحابہ کرام کے سربراہ تھے اور حضرت ابو ہریرہؓ کے بقول نبی ﷺ کے بعد سب سے افضل انسان تھے۔ ۱۴ صحابہ کرام نے اس وقت جو موقف اپنایا وہ دو نکتوں پر مشتمل تھا، پہلا نکتہ یہ تھا کہ ہم اپنے نبی کی تعلیم کے خلاف کوئی بات نہیں کہیں گے چاہے جو کچھ بھی ہو جائے۔ ۱۵

دوسرا نکتہ یہ تھا کہ وہ بادشاہ کے نظام انصاف کا سہارا لیں گے۔

صحابہ کرام کو حضور ﷺ سے معلوم ہو چکا تھا کہ بادشاہ انصاف پرور ہے اور خود ان حضرات نے بادشاہ کے پڑوس میں رہ کر اس کی انصاف پسندی کا عملاً مشاہدہ اور تجربہ کرلیا تھا لہذا ان کو اعتماد تھا کہ حق و انصاف کی جنگ میں وہ فتح یاب ہوں گے لہٰذا انھوں نے اسی انصاف کے نظام میں اپنے دفاع کی راہ نکالی۔

Marfat.com

نجاشی نے وزراء، علماء، مشاہدین، مدعی اور مدعا علیہ سے بھرے دربار میں جب ان کے سامنے قریش کے وفد کا مقدمہ رکھا تو مہاجرین کے قائد حضرت جعفر طیار نے نجاشی کے ذریعہ اپنے دفاع میں تین سوالات قریش کے نمائندوں سے کیے۔

(۱) کیا ہم کسی کے غلام ہیں؟ جو اپنے آقا سے بھاگ کر آئے ہیں، اگر ایسا ہے تو ہمیں ضرور واپس کیا جائے۔

نجاشی نے عمرو بن العاص سے جواب طلب کیا تو انھوں نے کہا کہ نہیں یہ لوگ آزاد اور شریف ہیں۔

(۲) کیا ہم کسی کو قتل کر کے بھاگے ہیں؟ اگر ہم نے ناحق خون کیا ہے تو ہمیں مقتول کے وارثوں کے حوالہ کر دیا جائے۔

نجاشی نے وفد سے جواب طلب کیا تو عمرو بن العاص نے کہا کہ نہیں ایک قطرہ خوں بھی نہیں بہایا۔

(۳) کیا ہم کسی کا مال لے کر بھاگے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو ہم اس کو ادا کرنے کے لیے تیار ہیں۔

نجاشی نے وفد سے جواب مانگا تو انھوں نے کہا نہیں ایک پیسہ بھی لے کر نہیں بھاگے۔ [۱۶]

حضرت جعفر طیارؓ نے نجاشی کی عدالت میں قریش کے الزامات کے جواب میں جو سوالات اٹھائے تھے وہ اتنے معقول، برمحل اور عام ذہن کو اپیل کرنے والے تھے کہ عدالت میں موجود ہر شخص نے مہاجرین کی بے گناہی اور کفار قریش کی ایذا رسانی کا اندازہ لگا لیا، پھر بھی نجاشی نے مقدمہ خارج نہیں کیا بلکہ قریش کے وفد کے لگائے الزامات پر بحث شروع کی، انہوں نے حضرات صحابہ سے اس سوال کا جواب طلب کیا کہ وہ کونسا دین ہے جس کے باعث تم نے اپنی قوم کو چھوڑا، نہ ہمارے مذہب میں داخل ہوئے اور نہ دنیا میں موجود دوسرے مذاہب میں شامل ہوئے؟۔

اس سوال کے جواب میں حضرت جعفر نے اپنے دینی موقف اور مذہبی

Marfat.com

تعلیم کی وضاحت نہایت معقولیت اور بصیرت کے ساتھ کی، انہوں نے کہا۔

''بادشاہ سلامت! ہم جاہلیت میں مبتلا تھے، بتوں کی پوجا کرتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاری کا ارتکاب کرتے تھے، رشتہ داروں سے قطع تعلق کرتے تھے، پڑوسیوں سے برا سلوک کرتے تھے، ہمارا طاقت ور کمزور کو دبالیتا تھا، ہم اسی حالت میں تھے کہ اللہ نے ہمارے درمیان ایسا رسول بھیجا جس کے نسب، سچائی، امانت اور پاکدامنی سے ہم واقف ہیں۔

انھوں نے ہمیں دعوت دی کہ ہم صرف ایک معبود کی پرستش کریں، اس کے علاوہ پتھر وغیرہ کے وہ تمام بت جن کی ہم اور ہمارے اباء واجداد پرستش کرتے تھے چھوڑ دیں، انھوں نے ہمیں سچ بات بولنے کی، امانت داری کی، صلہ رحمی کی، پڑوسیوں سے حسن سلوک کی، حرام کاموں اور دوسروں کا خون بہانے سے پرہیز کرنے کی تعلیم دی۔

انھوں نے ہمیں بدکاری سے، جھوٹی بات کہنے سے، یتیم کا مال کھانے سے، پاک دامن عورتوں پر الزام لگانے سے روکا۔ انہوں نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کریں، نماز، زکوۃ اور روزہ وغیرہ کا حکم دیا۔ چنانچہ ہم نے ان کی تصدیق کی، ان پر ایمان لے آئے، اور اللہ کی طرف سے لائے ہوئے احکام میں ان کی پیروی کی، ایک اللہ کی عبادت کی، شرک چھوڑ دیا، جس کو حرام کہا اسے حرام جانا، جسے حلال کہا اسے حلال سمجھا۔

بادشاہ سلامت! یہی وہ جرم تھا جس کی بنا پر ہماری قوم نے ہم سے دشمنی کی، ہمیں ٹارچر کیا، ہمارے دین کی خاطر آزمائش میں ڈالا تاکہ اللہ کی عبادت چھوڑ کر ہم پھر بتوں کی پوجا کرنے لگیں، اور جاہلیت کی طرح گندے کاموں کو جائز سمجھیں۔ جب انھوں نے ہم پر قہر ڈھایا، ہم پر ظلم کیا، ہمارا جینا دوبھر کر دیا اور ہمارے مذہب کے درمیان رکاوٹ ڈالی تو ہم وطن سے نکل کر آپ کے ملک میں چلے آئے، دوسروں کے مقابلہ میں آپ کو ترجیح دی، آپ کی ہمسائیگی اختیار کی اس

Marfat.com

امید پر کہ آپ کے یہاں ہم پر ظلم نہ ہوگا۔ ۱۷

نجاشی اور ان کی عدالت عالیہ جب مطمئن ہوگئی کہ قریش کا الزام غلط اور مسلمانوں کا بیان درست ہے، تو نجاشی نے آخری سوال مہاجرین صحابہ سے یہ کیا کہ جس خدائی حکم اور تعلیم کا تم حوالہ دے رہے ہو اس کے متن کا کوئی حصہ تمہارے پاس ہے؟۔

تب حضرت جعفر طیارؓ نے کہا جی ہاں موجود ہے اور موقع کی مناسبت سے سورہ مریم کے ابتدائی رکوع کی تلاوت شروع کی۔ تلاوت کیا کی ع از دل خیزد بر دل ریزد کا سماں باندھ دیا، حضرت جعفر سورہ مریم کی تلاوت کی تو باران خشت برسنے لگی، نجاشی نے روتے روتے ڈاڑھی ترکرلی، پادریوں نے روتے روتے اپنے صحیفے بھگو لیے، حضرت جعفر کے تین نکاتی سوالات نے عدالت کو پہلے ہی مطمئن کردیا تھا اور اب ان کی تلاوت قران نے عدالت، عالیہ کے دلوں کو فتح کرلیا۔ نجاشی کے انصاف پرور ہی نہیں، صاحب دل اور صاحب معرفت بھی تھے، انہوں نے عدالت میں فیصلہ سنا دیا۔

"ان ھذا والذی جاء بہ عیسیٰ لیخرج من مشکاۃ واحدۃ، انطلقا فلا واللہ لا اسلمھم الیکما" ۱۸

(بے شک یہ تعلیم اور جس تعلیم کو حضرت عیسیٰؑ لیکر آئے وہ ایک ہی سرچشمہ نور کی ضیاپاشیاں ہیں۔ قریش کے نمائندو تم واپس جاؤ میں ہرگز ان مہاجرین کو تمہارے حوالہ نہیں کرسکتا۔)

قریش کے نمائندے مقدمہ ہار گئے، مگر نچلے نہ بیٹھے، انہوں نے طے کیا کہ اگلے دن وہ نئے الزامات لے کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور مہاجر مسلمانوں کی جڑ کاٹ کر رکھدیں گے۔ عبداللہ بن ربیعہ نے عمرو بن العاص کو سمجھایا کہ ایسا نہ کرنا اگرچہ وہ ہمارے دھرم کے مخالف ہیں مگر ہیں تو ہمارے ہی بھائی بندے، مگر عمر بن العاص نے نہیں مانا اور کہا میں ضرور بادشاہ کو بتاؤں گا کہ یہ مسلمان

Marfat.com

حضرت عیسیٰؑ کو عبد یعنی بندہ سمجھتے ہیں۔ ۱۹

اگلے دن پھر دربار لگا، قریش کے وفد نے نئی چارج شیٹ داخل کی اور بادشاہ سے درخواست کی کہ مسلمانوں سے جواب طلب کریں۔ مہاجرین عدالت میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ تم حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتے ہو؟ قریش کے نمائندوں نے یہ سوچ کر چال چلی تھی کہ گذشتہ دن ان کے مشرکانہ مذہب کی خلاف مسلمانوں نے جو بیان دیا تھا اس معاملہ میں بادشاہ اور مسلمانوں کا موقف ایک تھا اس لیے بادشاہ کا فیصلہ ان کے حق میں ہوگیا۔ آج جب کہ بادشاہ کے عقیدہ کے خلاف مہاجروں کو بیان دینا ہوگا تو یقیناً بادشاہ بھڑک جائے گا اور فیصلہ ہمارے حق میں ہوجائے گا۔

مسلمانوں نے باہمی مشورہ سے طے کیا تھا کہ جس عقیدہ کی خاطر انہوں نے وطن چھوڑا ہے اسے بادشاہ کی پسند و ناپسند پر نہیں چھوڑیں گے بلکہ حق بات کہیں گے، چنانچہ بھری عدالت میں حضرت جعفر طیار نے بیان دیا:

> ''ہم ان کے بارے میں وہی کہتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول نے کہا ہے کہ وہ اللہ کے بندے، اس کے رسول، اس کی روح اور اس کا کلمہ تھے جسے کنواری مریم پر اللہ نے القا کیا تھا'' ۲۰

نجاشی نے یہ سن کر زمین سے ایک لکڑی اٹھائی اور کہا جو تم نے کہا ہے حضرت عیسیٰ اس سے اس لکڑی کے برابر بھی مختلف نہ تھے، تم لوگ جاؤ اور میرے ملک میں امن وسکون کی زندگی گزارو، جو تم پر زیادتی کرے گا اس سے مواخذہ ہوگا ۲۱

بعض سیرت نگار یہ بھی لکھتے ہیں کہ نجاشی نے نہ صرف مہاجر مسلمانوں کے عقیدہ کی تائید کی تھی بلکہ رسول کریم کی رسالت کی شہادت دے کر حلقہ بگوش اسلام ہوگئے تھے۔ ۲۲ ابن سعد کا بیان ہے کہ نجاشی سن ۷ ہجری میں اس وقت اسلام لائے جب رسول پاکؐ نے ان کو خط لکھ کر اسلام کی دعوت دی۔ ۲۳ حضرت عبداللہ بن

Marfat.com

مسعودؓ کی روایت میں یہ بھی ذکر ہے کہ نجاشی نے فرمایا اگر میرے اوپر ملک کی ذمہ داریاں نہ ہوتیں تو میں رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور ان کی جوتیاں اٹھاتا۔[۲۴]

اجنبی ملک میں یہ پہلا مقدمہ تھا جو مسلمانوں نے جیتا تھا۔ اس کے بعد مسلمان تقریباً ۱۵ سال تک حبشہ میں مقیم رہے۔ وہاں انہوں نے شادی بیاہ کی، ان کی اولادیں ہوئیں اور ایک پرامن شہری کی زندگی گذارتے رہے۔ قرائن سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان نجاشی کے قریب آباد تھے، سو آدمیوں پر مشتمل ایک کالونی آباد ہوگئی تھی اور حبشہ کی یہ پہلی مسلم کالونی تھی مگر ان کا ذریعہ معاش کیا تھا، سماجی معاملات کیسے تھے، کتب سیرت میں اس کی جزئیات نہیں ملتیں البتہ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ نجاشی نے مہاجرین کی لباس اور طعام کی شکل میں امداد کی۔[۲۵] مسلمان وہاں چھوٹا موٹا کاروبار بھی کرتے تھے اور محنت و مشقت سے روزی کماتے تھے۔ مہاجرین جب تک حبشہ میں رہے ملک کے خیر خواہ اور نجاشی کے لیے دعا کرتے رہے چنانچہ جب نجاشی کے خلاف اس کے ایک شہری نے بغاوت کی تو مسلمانوں نے نجاشی کی کامیابی کے لیے خشوع وخضوع کے ساتھ دعائیں کیں۔

حضرت ام سلمہؓ روایت کرتی ہیں

"فدعونا اللہ تعالیٰ للنجاشی بالظهور علی عدوہ والتمکین له فی بلادہ"[۲۶]

ہم لوگوں نے نجاشی کے لیے دعا کی اللہ اسے دشمن پر فتح عطا کرے اور اس کے ملک پر اس کا اقتدار جمادے۔

حضرت جعفرؓ نے اسلام کے تعارف پر مشتمل جو تقریر نجاشی کے دربار میں کی تھی اس میں رسول پاک کی چودہ تعلیمات کا ذکر تھا،

(۱) توحید (۲) سچائی (۳) امانت داری (۴) صلہ رحمی (۵) پڑوسیوں سے اچھا سلوک (۶) حرام کاموں سے پرہیز (۷) خونریزی سے گریز (۸) بدکاری سے پرہیز (۹) جھوٹی بات سے پرہیز (۱۰) مال یتیم سے پرہیز (۱۱) عورتوں پر

Marfat.com

الزام تراشی سے گریز (۱۲) نماز قائم کرنا (۱۳) زکوۃ دینا (۱۴) روزہ رکھنا۔

ان تعلیمات میں، مذہب، اخلاق اور سماج سب کچھ کی رہنمائی موجود ہے۔ یہی وہ بنیادی تعلیم ہے جو اسلامی معاشرہ کی اساس ہے۔

مہاجرین صحابہ کی اجتماعیت کو ایک دھکا اس وقت لگا جب کہ ان میں سے ایک مہاجر عبید اللہ بن جحش نے اسلام چھوڑ کر عیسائیت اختیار کرلی۔ خواہ اس کی وجہ معاشی حالت رہی ہو یا تربیت کی کمی رہی ہو یا نجاشی کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر اس نے یہ اقدام کیا ہو، بہر حال اس کے ارتداد سے مسلمانوں کو ذہنی اذیت پہونچی اور ان کی اجتماعیت کو دھکا لگا۔ مگر مسلمانوں نے اس صدمہ کو برداشت کیا، عبید اللہ بن جحش کا اسی حال میں انتقال ہوگیا۔ اس کی بیوی ام حبیبہؓ جو سردار مکہ ابوسفیان کی بیٹی تھیں، اب بیوہ ہو چکی تھیں، رسول کریم نے نجاشی کو خط لکھا کہ وہ ان سے نکاح کرنے کے لیے تیار ہیں۔ لہذا غائبانہ عقد کر کے ان کے پاس مکہ بھیج دیں۔ چنانچہ سن ۷ ہجری میں نجاشی نے عقد کے ساتھ اپنی طرف سے مہر کی رقم ادا کر کے حضرت ام حبیبہ کو رسول پاک کے پاس بھیج دیا۔ رسول پاک نے اس طرح ان کو شوہر کے ارتداد کی وجہ سے سماجی رسوائی کا صدمہ سہنے سے بچالیا اور اپنی زوجیت میں رکھ کر ان کا رتبہ بھی بڑھا دیا۔ ۲۷

کتب سیرت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مہاجر مسلمانوں نے حبشہ کے مقامی باشندوں کو اسلام کی دعوت دینی شروع کردی تھی، چنانچہ ان کی دعوتی سرگرمیوں کے نتیجہ میں چالیس پچاس حبشیوں نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ ۲۸

مہاجرین حبشہ کے مقدمہ، بیانات اور اجمالی حالات سے مختصراً یہ نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

(۱) مسلمان جہاں کہیں ہوں وہ حق پر قائم رہیں اور حق بات ہی کہیں حالات جیسے بھی ہوں، یہی ان کی مذہبی اور تہذیبی زندگی کی اساس ہے۔

(۲) دین کی دعوت، حکمت، معقولیت اور مدلل طریقہ سے اپنے ہم وطنوں

Marfat.com

کو دیں اور ہمیشہ طاقت کا مقابلہ حکمت سے کرنے کی سعی کریں۔ اقلیت کے لیے یہ ہتھیار زیادہ کارگر ہے۔

(۳) جس ملک میں رہیں اس کے خیر خواہ اور محبّ وطن بن کر رہیں، چنانچہ نجاشی کے لیے دعاؤں کا اہتمام کر کے صحابہ نے اسی خیر خواہی کا ثبوت دیا تھا۔

(۴) ملک کے نظام عدل سے واقفیت حاصل کریں اور اسے اپنے تحفظ کے لیے اور اپنا حق حاصل کرنے کے لیے استعمال کریں، حضرت جعفرؓ نے نجاشی کی عدالت میں یہی کارنامہ انجام دیا تھا۔

(۵) جس ملک میں رہیں وہاں امن پسند شہری کی حیثیت سے رہیں اور تخریبی کارروائیوں میں ملوث نہ ہوں۔ حضرت جعفرؓ کی تقریر کا یہ جملہ کہ رسول اللہ نے ہمیں پڑوسیوں سے حسن سلوک کی، حرام کاموں سے بچنے اور خونریزی سے گریز کرنے کی تعلیم دی'' یہی سبق اور نصیحت دیتا ہے۔

(۶) مسلمان جہاں بھی ہوں باہمی اتحاد واتفاق، مشاورت اور یک جہتی سے کام لیں، اپنا کوئی امیر بھی منتخب کریں، چنانچہ حضرت جعفر طیارؓ کی امارت میں مہاجر صحابہ کا باہمی مشورہ سے ایک موقف طے کرنا ہمیں یہی اسوہ فراہم کرتا ہے۔

(۷) اپنے موقف، مقصد حیات اور طرز زندگی سے ہم وطنوں کو واقف کرائیں تاکہ وہ غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔ ان کے لیے تحفظ کے مسائل پیدا نہ کریں اور اسلام کو حریف کے طور پر نہ سمجھیں۔ حضرت جعفرؓ کی پوری تقریر کا لب لباب یہی ہے۔

(۸) ہم وطنوں کے مذہب، مزاج اور تہذیبی شعار سے ضروری واقفیت حاصل کریں تاکہ بقائے باہم کی راہ ہموار ہو۔ ہجرت حبشہ سے قبل سورہ مریم کا نزول اور نجاشی کی عدالت میں حضرت جعفرؓ کی تلاوت سے اس کی طرف واضح اشارہ ملتا ہے۔

(۹) مسلمانوں کو اگر کوئی مذہبی یا سماجی صدمہ سے دوچار ہونا پڑے تو وہ صبر واستقلال اور دور اندیشی سے کام لیں، عجلت اور جذباتیت سے ممکن حد تک گریز

Marfat.com

کریں، جیسا کہ عبید اللہ بن جحش کے ارتداد پر مسلمانوں کے محتاط ردعمل سے معلوم ہوتا ہے۔

(۱۰) مسلمان جس ملک میں ہوں محنت و مشقت اور حلال روزی کو اپنا وطیرہ بنائیں۔

مختصر یہ ہے کہ آج کے وہ ممالک جہاں حکومت اور اکثریت دوسرے مذاہب کے حاملین کی ہے اور مسلمان وہاں اقلیت کی حیثیت جی رہے ہیں، حبشہ کے مہاجر صحابہ کے حالات سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے پرامن زندگی گذارنے کا منصوبہ بنا سکتے ہیں۔

ملک کے آئین اور عدالت سے حق حاصل کر سکتے ہیں اور اپنے حقوق و فرائض کو یقینی بنا سکتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ الصحیح لمسلم، کتاب الایمان، باب فضل ان الاسلام یہدم ما کان قبلہ
۲۔ عبدالملک ابن ہشام، سیرۃ النبی، دار الفکر ۱۹۸۱ء، جلد ۱، ص ۳۳۹
۳۔ ابن حجر عسقلانی، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، مکتبہ مثنی بغداد جلد ۲، ص ۳۵۹
۴۔ اسماعیل ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، (سورہ الفیل) دارالخیر دمشق ۱۹۹۰ء، جلد ۴، ص ۵۸۵
۵۔ سیرۃ النبی، جلد ۱، ص ۳۵۶
۶۔ محمد حمید اللہ، خطبات بہاول پور، نئی دہلی ۱۹۹۷ء، ص ۶۳
۷۔ سیرۃ النبی جلد ۱، ص ۳۵۶
۸۔ ایضاً، ۳۵۳، نیز دیکھیے فتح الباری، جلد ۷، ص ۱۴۳
۹۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، بیروت ۱۹۶۰ء، جلد ۱، ص ۲۰۴
۱۰۔ ایضاً، ص ۲۰۶

Marfat.com

ال ایضاً، نیز دیکھیے احمد بن محمد القسطلانی، المواہب اللدنیہ، گجرات، جلد ا، ص ۲۵۹،
سیرۃ النبی، جلد ا، ص ۳۵۳

۱۲ سیرۃ النبی، جلد ا، ص ۳۵۸، نیز ابونعیم اصفہانی، دلائل النبوۃ، دائرۃ المعارف
العثمانیہ حیدرآباد ۱۳۲۰ھ، جلد ا، ص ۸۲

۱۳ ایضاً، نیز دیکھیے مسند امام احمد بن حنبل، دارالحدیث قاہرہ، ۱۹۹۵ء، جلد ۲،
ص ۳۵۶، حدیث نمبر ۱۷۴۰

۱۴ الاصابہ فی تمییز الصحابہ، جلد ا، ص ۲۳۷

۱۵ سیرۃ النبی، جلد ا، ص ۳۵۸

۱۶ دلائل النبوۃ جلد ا، ص ۸۰

۱۷ سیرۃ النبی، نیز دیکھیے مسند امام احمد بن حنبل، حدیث نمبر ۱۷۴۰، جلد ا، ص ۳۵۹

۱۸ سیرۃ النبی، جلد ا، ص ۳۵۹

۱۹ ایضاً، ص ۳۶۰

۲۰ ایضاً

۲۱ ایضاً

۲۲ المواہب اللدنیۃ، جلد ا، ص ۲۵۹

۲۳ الطبقات الکبریٰ، جلد ا، ص ۲۰۷

۲۴ مسند امام احمد بن حنبل، جلد ۴، ص ۲۴۶، حدیث نمبر ۴۴۰۰

۲۵ دلائل النبوۃ، جلد ا، ص ۸۱

۲۶ سیرۃ النبی، جلد ا، ص ۳۶۰

۲۷ المواہب اللدنیۃ، جلد ۲، ص ۸۵

۲۸ خطبات بہاول پور، ص ۲۰۸

Marfat.com

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ماحول کا تحفظ

Marfat.com

گزشتہ کئی دہائیوں سے ماحول کا تحفظ عالمی توجہ کا موضوع بنا ہوا ہے، کیوں کہ ماحول کی حفاظت سے خود انسان کی حفاظت ہوتی ہے اور ماحول کی آلودگی انسانی زندگی کے لیے خطرہ بن جاتی ہے۔ وہ زمین جس پر انسان رہتا اور بستا ہے اس پر غلاظتوں اور گندگی کا اتنا انبار نظر آتا ہے کہ عام انسانی زندگی اس کے تعفن سے اذیت میں مبتلا ہے۔ جنگلوں اور پیڑوں کے غیر متناسب استعمال بلکہ استحصال نے موسمی تغیرات کا رخ بدل دیا ہے۔ وہ ہوا جس میں ہم سانس لیتے ہیں صنعت گاہوں، کارخانوں اور کیمیاوی تجربہ گاہوں کے چھوڑے ہوئے فضلات اور بڑی چھوٹی موٹر گاڑیوں کی لمبی قطار کی کثافتوں سے اس حد تک زہر آلود ہو چکی ہے کہ انسان تنفس، پھیپھڑے، جگر، قلب اور جلد کی انگنت بیماریوں کا شکار ہو رہا ہے، جانور اور پرندے بھی اس سے متاثر ہو رہے ہیں اور نت نئی بیماریاں جغرافیائی حدود کو پار کر رہی ہیں۔ یہاں تک کہ اوزون کی پرت جو سورج کی شعاعوں کے مضر اثرات سے ہماری حفاظت کرتی ہے اس میں سوراخ ہو رہا ہے اور انسانی زندگی کے لیے خطرات بڑھ گئے ہیں۔ وہ پانی جسے انسان خود پیتا ہے اور اپنے مویشیوں کو پلاتا اور کھیتوں کو سیراب کرتا ہے اس میں کیمیاوی مادوں اور زہریلے فضلات کی آمیزش اس قدر ہو رہی ہے کہ پانی کے جاندار کے ساتھ ساتھ انسانی جسم و جان میں بھی زہریلے اثرات منتقل ہو رہے ہیں۔ اور وہ مختلف قسم کی بیماریوں میں مبتلا ہو رہا ہے۔ کسی صنعتی شہر میں دن گذار کر جب آپ گھر لوٹیں تو اپنے لباس اور جسم پر اپنے منھ اور ناک میں کثافتوں کی سیاہی واضح طور پر محسوس کر سکتے ہیں۔

قومی جنگوں میں آتشیں ہتھیاروں کے استعمال کے علاوہ بڑے پیمانہ پر کیمیاوی گیسوں، بارودی دھماکوں، زندگی کش بموں اور لیزر کی شعاعون کا استعمال

Marfat.com

کیا جانے لگا ہے۔ یہ تباہ کن ہتھیار صرف اپنے نشانہ کو ہی برباد نہیں کرتے بلکہ ہر جاندار اور ماحول پر انتہائی مضر اثرات مرتب کرتے ہیں، زمین کا نمو ختم کر کے اس میں زہر بھر دیتے ہیں، درجہ حرارت بڑھا کر ماحول کا توازن بگاڑ دیتے ہیں۔

اس صورت حال میں حکومتوں، عالمی تنظیموں، رفاہی انجمنوں، علمی اور تحقیقاتی اداروں کی تشویش بجا اور برملا ہے۔ ہر طرف سے یہ مطالبہ ہو رہا ہے کہ ماحول کا تحفظ کیا جائے، آلودگی پر قابو پایا جائے، اور صاف ستھری فضا بنائی جائے۔ کسی چیز کی حفاظت کا احساس عام طور پر اس وقت ہوتا ہے جب اس کے وجود اور صحت کو خطرہ لاحق ہو۔ آنکھ میں درد ہوتا ہے تو انسان آنکھ کی فکر کرتا ہے، ہاتھ پاؤں میں تکلیف ہوتی ہے تو انسان مالش اور معالج کی فکر کرتا ہے، جسم کے کسی اور حصے میں بگاڑ ہو تو ڈاکٹر سے رجوع کرتا ہے، غرض یہ کہ اصلاح کی فکر اس وقت ہوتی ہے جب فساد نظر آتا ہے، اگر فساد نہ ہو تو اصلاح کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ ماحولیات کی اصلاح اور پاکیزگی کی فکر اس وقت ہو رہی ہے جب ماحول میں فساد اور کثافت پھیل گئی ہے اور لوگ اس کی زہرناکی کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔

رسول پاک ﷺ کی دور اندیشی:

ذرا تصور کیجئے کہ آج سے چودہ سو برس پہلے جب نہ تو موٹر گاڑیوں کا وجود تھا اور نہ دیو ہیکل کارخانے وجود میں آئے تھے، نہ جنگلات فنا ہو رہے تھے اور نہ دریاؤں میں زہر گھل رہا تھا، ماحول میں آلودگی آج کی طرح رچی بسی نہیں تھی۔ اس وقت آخری رسول محمد ﷺ نے ماحول کو کثافت سے پاک رکھنے اور فضا کو آلودگی سے محفوظ کرنے کی تعلیم و تلقین فرمائی۔ اصولی ہدایات، موثر تعلیمات اور عملی اقدامات تینوں طرح سے ماحول کی پاکیزگی کو یقینی بنایا۔ یہ کائنات انسانوں کے لیے خالق حقیقی کی صناعی کا خوبصورت تحفہ ہے اور اس کی تمام جاندار اور بے جان چیزیں انسانوں کے لیے حسین نعمت ہیں، اس کائنات کی خوبصورتی دلکشی اور تازگی

Marfat.com

کی حفاظت کی رسول پاک نے تعلیم دی۔ اسے فروغ دینے میں اپنی قوت وصلاحیت لگانے کی ضرورت کا احساس دلایا، اور فطرت کے عطیات کو فطری قوانین کے مطابق برتنے کی تلقین فرمائی۔ تاکہ انسان خود بھی ماحول کی پاکیزگی سے لطف اندوز ہوسکے اور دوسرے جانداروں کو بھی راحت پہونچا سکے اور رب کریم کا شکریہ ادا کرے۔

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُم مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِن يُرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔[1]

''اللہ تم پر تنگی کرنا نہیں چاہتا، لیکن وہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک صاف کرے اور تم پر اپنی نعمت تمام کرے تاکہ تم شکر گذار بنو۔''

قدرت کے عطیات کا ادراک:

رسول پاک علیہ السلام نے آسمان وزمین، سمندر، پہاڑ۔ حیوانات، نباتات، پرندے، جنگلات، باغات، وادیوں اور آبادیوں سب کچھ کو قدرت کے متوازن نظام کا شاہکار قرار دیتے ہوئے ان کی تخلیق پر غور کرنے، ان کی حکمتوں کو سمجھنے اور ان کے تقاضوں کو پورا کرنے کی تعلیم فرمائی۔ آپ نے انسانوں تک اللہ کا یہ پیغام پہونچایا:

إِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِن مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِن كُلِّ دَآبَّةٍ وَتَصْرِيْفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ۔[2]

''بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں، رات اور دن کے ایک دوسرے کے بعد آنے جانے میں، ان کشتیوں میں جو انسانوں کی

نفع رسانی کا سامان لیے سمندر میں چلتی ہیں بارش کے اس پانی میں
جسے اللہ آسمان سے برساتا ہے اور مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے اور
ہر طرح کے جانور کو زمین میں پھیلانے میں اور ہواؤں کی گردش
میں اور آسمان و زمین کے درمیان مسخر بادلوں میں عقل مند لوگوں
کے لیے نشانیاں ہیں۔''

قرآن حکیم کی اس آیت میں حسب ذیل دس ایسی چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کا تعلق براہ راست ماحولیات سے ہے: ۱۔ آسمان ۲۔ زمین ۳۔ دن اور رات یعنی وقت ۴۔ جہاز رانی اور سمندر ۵۔ انسانوں کی نفع رسانی ۶۔ بارش ۷۔ زمین کی روئیدگی یعنی کاشت کاری اور شجر کاری ۸۔ حیوانات کی زندگی ۹۔ ہواؤں کی گردش ۱۰۔ بادلوں کا فضا میں معلق ہونا۔ قدرت کے عجائبات اور انسانی ماحول اور اس کی راحت رسانی سے تعلق رکھنے والی ان اشیاء کو قرآن پاک میں بار بار مشاہدہ، مطالعہ اور سبق آموزی کے لیے انسانوں کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ اس آیت میں بھی خاص طور پر ان حکمتوں کو سمجھنے اور ان سے استفادہ کرنے کی ضرورت کا احساس دلایا گیا ہے کیوں کہ اس سے ہمارے ماحول کی تشکیل ہوتی ہے اور ان کا توازن برقرار رہتا ہے۔

رسول پاک ﷺ نے قدرت کا یہ سبق بھی انسانوں کو ذہن نشین کرایا ہے کہ کائنات میں ان ساری چیزوں کو خاص اہتمام، اندازہ، توازن اور اعتدال کے ساتھ بنایا اور سنوارا گیا ہے۔ قرآن پاک میں متعدد مواقع پر کائنات کے نظم و توازن اور اللہ کے مقرر کردہ معیار و مقدار کا حوالہ دیا گیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ ارشاد ہے:

إِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ
وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَأَنّٰى تُؤْفَكُونَ فَالِقُ
الْإِصْبَاحِ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا
ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ۔ ۳

Marfat.com

”دانے اور گٹھلی کو (زمین میں) پھاڑنے والا اللہ ہے، وہی زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور وہی مردہ کو زندہ سے نکالنے والا ہے، یہ اللہ کے کرشمے ہیں، تم کدھر بہکے جا رہے ہو، رات کے پردہ سے وہی دن نکالتا ہے اور رات کو وجہ سکون بنایا ہے اور شمس وقمر کی گردش مقرر کی ہے یہ اسی غالب اور علم رکھنے والے اللہ کے ٹھہرائے ہوئے اندازے ہیں۔“

دوسری جگہ ارشاد ہے:

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّى وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَى وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْعَى ؎

”اپنے رب برتر کے نام کی تسبیح کرو جس نے پیدا کیا اور تناسب قائم کیا، جس نے اندازہ مقرر کیا اور راہ دکھائی اور جس نے چراگاہ بنائی۔“

کائنات کا توازن نہ بگاڑو:

قدرت نے جس طرح اپنی تخلیق میں تناسب، توازن اور اعتدال رکھا ہے اس کا مطالبہ ہے کہ بندے بھی اسی طرح اپنے عمل میں اعتدال و توازن رکھیں اور قدرت کی تخلیق میں خلل نہ ڈالیں۔ قدرت کے مقرر کردہ اس توازن کی حکمت کو سمجھنا، اسے اپنی عملی سرگرمیوں کا موضوع بنانا، اسے اپنی نفع رسانی سے جوڑنا، اس سے استفادہ کرنا، اس کا توازن برقرار رکھنا، اس میں خلل پیدا نہ کرنا، انسان کی ضرورت بھی ہے اور ذمہ داری بھی ہے۔

الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْأَكْمَامِ وَالْحَبُّ

Marfat.com

ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۵

''سورج اور چاند ایک حساب کے پابند ہیں، تارے اور درخت سب سجدہ ریز ہیں، آسمان کو اس نے بلند کیا اور میزان قائم کردی، اس کا تقاضا ہے کہ تم میزان میں خلل نہ ڈالو، انصاف کے ساتھ وزن قائم رکھو اور ترازو میں ڈنڈی نہ مارو، زمین کو اس نے مخلوق کے لیے بنایا، اس میں ہر طرح کے پھل ہیں، کھجور کے درخت ہیں جن کے پھل غلافوں میں ہیں، ہر طرح کے غلے ہیں جن میں بھوسا بھی اور دانہ بھی تو اے جن وانس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟''

آیت میں شمس وقمر کی گردش کا حساب، پیڑ پودوں کی شادابی، آسمان کی بلندی، زمین کی تخلیق، غلے اور پھل پھول کی پیدائش جیسی نعمتوں کو انسان کے سپرد کرنے کے ساتھ یہ ہدایت کی گئی ہے کہ یہ سب کچھ قدرت کے ایک متوازن نظام اور معتدل انتظام کا حصہ ہیں۔ اس نظام میں خلل ڈالنے اور اس حسن انتظام میں فساد برپا کرنے کی کوشش نہ کرو۔ قدرت کے عطیات سے اگر قدرت کے مقرر کردہ اصولوں کے مطابق استفادہ کیا جائے تو یہ اصلاح ہے اور اگر ان اصولوں سے انحراف کیا جائے تو یہ فساد ہے۔ قدرت صرف عطیات ہی نہیں دیتی بلکہ طریقہ استعمال کی ہدایات بھی دیتی ہے، انسان کو دونوں سے استفادہ کرنا چاہیے۔

ماحول کا فساد:

قرآن میں صاف اور صریح لفظوں میں تاکید کی گئی ہے کہ ماحول میں فساد برپا نہ کرو۔

(وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا) ؁ اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ مچاؤ، فساد اور اصلاح قرآن کریم کی دو اہم اصطلاحیں ہیں جو بڑی معنی خیز ہیں، اصلاح کے معنی آرڈر، نظام اور توازن کے ہیں، یعنی ہر چیز کو اپنی

Marfat.com

فطری جگہ پر قائم رکھنا، اور فساد کے معنی بگاڑ، انتشار اور خلل کے ہیں، یعنی کسی نظم میں خلل اور بگاڑ پیدا کرنا، اس کا مطلب یہ ہے کہ قدرت نے کائنات میں ہر چیز اندازے، قرینے، اہتمام اور اعتدال کے ساتھ رکھی ہے، اس میں اپنی بے راہ روی اور بد اعمالی سے خلل نہ ڈالو، بگاڑ نہ پیدا کرو، اس کا استعمال صرف خواہش کے مطابق نہیں بلکہ قدرت کے اصولوں کے مطابق کرو، ماحول کے اس نظم و توازن کا فائدہ خود انسانوں کو ہوگا اور اگر وہ اس میں بگاڑ پیدا کرے گا تو اس کے نقصانات اور مضر اثرات بھی اسی کو بھگتنے پڑیں گے، اس طرح انسان اپنی تباہی کا آپ ہی ذمہ دار ہوگا، ارشاد ہے:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ؎

"خشکی اور تری میں فساد برپا ہوگیا ہے لوگوں کے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے تاکہ ان کو ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھائے شاید کہ وہ باز آجائیں۔"

فساد کا ایک عمومی مطلب تو یہ ہے کہ انسانوں نے اپنے باغیانہ خیالات اور سرکشی سے اور باہم تنازع و تصادم کر کے زمین میں فساد برپا کرلیا ہے، اس آیت کا اہم مصداق ماحول بھی ہے جس کے لیے خاص طور پر زمین کے ساتھ ساتھ بحر یعنی دریا و سمندر کا تذکرہ کیا گیا ہے، یعنی ماحول میں آلودگی فکر و خیال اور اعمال کی گندگی، بداخلاقی اور کج روی کی وجہ سے بھی ہے اور قدرت کے عطیات کے غلط استعمال اور استحصال اور ان میں انسانی کثافتوں کی آمیزش کی وجہ سے بھی ہے، ماحول کی آلودگی اسی وقت دور ہوسکتی ہے کہ انسان اپنے فکر و عمل کا قبلہ درست کرے اور کائنات کے تعلق سے اپنے رویہ میں مثبت تبدیلی لائے۔

قرآن اور پیغمبر اسلام کی اس اصولی تعلیم کے بعد دیکھئے کہ ماحولیات کے متعلق متعین ہدایات بھی انسانوں کو دربار نبوت سے ملتی ہیں۔

موجودہ عہد کی طرح اگر عہد نبوی میں کثافت پھیلانے والی گاڑیاں،

Marfat.com

کارخانے اور کیمیائی فضلات اور مادے پائے جاتے تو یقیناً رسول پاک ان کے ضرر سے ماحول کو بچانے کے لیے متعین ہدایات فرماتے، ماقبل صنعتی عہد میں ماحول کی آلودگی ابتدائی اور سادہ شکل میں پائی جاتی تھی لہٰذا رسول پاک ﷺ نے اس کے بارے میں انسانی شعور کو بیدار کیا اور عملی اقدامات سے متعلق واضح ہدایات فرمائیں، یہ ہدایات آج بھی ماحولیات کے تحفظ اور پاکیزگی کے لیے رہنما خطوط اور سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔

گندگی نہ پھیلاؤ:

ماحول کے تحفظ کے سلسلہ میں رسول پاک ﷺ کا ایک بنیادی حکم یہ ہے کہ گندگی پھیلانے سے پرہیز کیا جائے، خاص طور پر پبلک مقامات کو گندگی سے بچایا جائے، رسول پاک ﷺ نے سایہ دار درخت کے نیچے، راستہ میں اور مسجد میں گندگی پھیلانے سے شدت سے منع فرمایا، حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: دو ایسی چیزوں سے پرہیز کرو جو لعنت کا سبب ہیں، صحابہ نے پوچھا وہ لعنت کرنے والی چیزیں کیا ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ لوگوں کے راستہ میں اور سایہ میں غلاظت کی جائے۔[8] پبلک مقام کی جامع شکل عہد نبوی میں مسجد تھی چنانچہ آپ نے مسجد میں تھوکنے سے منع فرمایا۔[9]

قربانی کے دنوں میں جانور ذبح کیے جاتے ہیں، بے شعوری کی وجہ سے اب قربانی کے فضلات سڑکوں پر اور نالیوں میں بکھرے نظر آتے ہیں، گندگی پھیلتی ہے، بیماری بڑھتی ہے۔ حکم یہ ہے کہ قربانی کے فضلات کو دفن کر دیا جائے، اگر اس ہدایت پر عمل درآمد ہو تو ماحول کو آلودگی سے بچایا جا سکتا ہے، شریعت محمدی ﷺ نے ایسے ایندھن کے استعمال سے روکا ہے جس کا دھواں پڑوسی کے گھر میں جاتا ہو۔ فضائی آلودگی سے بچنے کے لیے یہ حکم ایک اصول اور کلیہ کی حیثیت رکھتا ہے، آج کل کی گاڑیوں اور فیکٹریوں کے دھوئیں کو ضابطہ بند بنایا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

پاکی اور صفائی کا اہتمام کرو:

رسول پاک ﷺ کی ماحولیاتی تعلیم وتربیت کا دوسرا اہم پہلو یہ ہے کہ روح اور جسم، لباس اور مکان کے ساتھ ماحول کی صفائی کا پورا اہتمام کیا جائے، مسلمانوں کی صفت یہ بتائی گئی کہ وہ صفائی پسند ہوتے ہیں۔ قبا کے مومنوں کے بارے میں قرآن میں ہے (فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ) [۱۰] ''اس میں وہ لوگ ہیں جو پاکی اور صفائی کو پسند کرتے ہیں اور اللہ پاک اور صاف لوگوں کو پسند کرتا ہے''۔ رسول پاک ﷺ نے صفائی کو ایمان کا حصہ قرار دیا اور فرمایا: النظافة تدعوا الی الایمان والایمان مع صاحبه فی الجنة[۱۱] ''صفائی ایمان کی طرف لے جاتی ہے اور ایمان اپنے ساتھی کو جنت میں لے جاتا ہے''

ہر انسان جنت میں جانے کا آرزومند ہے، ہر شخص جنت کی نعمتیں حاصل کرنا چاہتا ہے اور اس کے لیے ایمان وعمل کی تیاری کرتا ہے۔ مگر رسول پاک ﷺ کی اس انقلابی تعلیم پر غور کیجیے کہ اگر جنت میں گھر بنانا چاہتے ہو تو پہلے اپنے ماحول کو پاک صاف کر کے جنت نشاں بناؤ تا کہ تم صحیح معنوں میں جنت کے حقدار بن سکو۔

قرآن وسنت کی اس صحت آفریں تعلیم کا تقاضا یہ ہے کہ ہر مسلمان اپنے ماحول کو پاک وصاف رکھنے کی فکر کرے، اپنے محلّہ اور بستی میں صفائی کی مہم چلائے اور گندگی جمع نہ ہونے دے، وہ یہ بھی دیکھے کہ کہیں اس کی بے توجہی جراثیم کے پھیلنے اور فضا کو آلودہ کرنے کا سبب تو نہیں بن گئی ہے اس کے گھر کے باہر ایسا کوڑا تو نہیں ہے جو دوسروں کے لیے اذیت کا سبب ہے۔ اگر ایسا ہے تو پہلی توجہ صفائی ستھرائی پر دینی چاہیے۔

استعمال کرو اسراف نہ کرو:

رسول پاک ﷺ کی ماحولیاتی تعلیم کا تیسرا اہم پہلو بقدر ضرورت استعمال

Marfat.com

کا نظریہ ہے جسے Conservation کہا جاتا ہے۔ دنیا کی ہر چیز اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے استعمال کے لیے بنائی ہے، اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے:

وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعاً[۱۲]

''اللہ نے آسمانوں اور زمین کی ساری چیزیں تمہارے لیے مسخر کر دی ہیں''

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولاً فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ[۱۳]

''وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو تابع بنایا اس کی راہوں میں چلو، اس کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور اسی کی طرف تم کو اٹھایا جانا ہے''۔

قدرت نے اپنی نعمتیں انسانوں کو استعمال کے لیے دی ہیں مگر ان کا استعمال سلیقہ اور طریقہ سے ہونا چاہئے، بقدر ضرورت ہونا چاہئے، نہ تو بلا ضرورت ہونا چاہئے اور نہ ضرورت سے زیادہ ہونا چاہئے، ماحول میں توازن برقرار رکھنے کے لیے استعمال نہ کہ اسراف کی حکیمانہ تعلیم ایک خوبصورت تناظر میں اس طرح دی گئی ہے:

وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ جَنَّاتٍ مَّعْرُوشَاتٍ وَغَيْرَ مَعْرُوشَاتٍ وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفاً أُكُلُهُ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهاً وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ كُلُواْ مِن ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُواْ حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ وَلاَ تُسْرِفُواْ إِنَّهُ لاَ يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ[۱۴]

''اور وہی ہے جس نے ایسے باغات پیدا کیے جو ٹیٹوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور وہ باغات بھی پیدا کیے جو ٹیٹوں پر نہیں چڑھائے جاتے اور کھجور اور کھیتی جس کے ذائقے مختلف ہوتے ہیں اور زیتون اور انار جو ایک دوسرے سے مشابہ بھی ہوتے ہیں اور مختلف بھی۔ ان کے پھل کھاؤ جب وہ پھل دیں اور اس کے کاٹنے کے وقت ان کا حق ادا کرو۔ اور فضول خرچی نہ کرو کیونکہ اللہ فضول

Marfat.com

خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

قرآن میں مزید واضح لفظوں میں تاکید کی گئی ہے کہ:

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ [۱۵]

''کھاؤ پیو اور اسراف یعنی فضول خرچی نہ کرو کیوں کہ اللہ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا''

''استعمال نہ کہ اسراف'' کے اس بنیادی اصول کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو ماحولیات میں عدم توازن کا مسئلہ حل ہوسکتا ہے۔ پانی، جنگلات، حیوانات، پرندے، معدنیات، توانائی، قدرتی وسائل اور خورد ونوش اور استعمال کی تمام ضروری اشیاء میں بقدر ضرورت استعمال (Conservation) کا اصول تحفظ اور توازن کا ماحول برقرار رکھے گا اور انسان پریشانیوں میں مبتلا نہیں ہوگا۔ اللہ کے اس حکم کے مخاطب حکومت، ادارے، عوام، سماج اور فرد سب ہیں اور ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس حکم کی تعمیل کرے۔

پانی کا تحفظ کرو:

پانی قدرتی وسائل میں گرانقدر اہمیت کا حامل ہے، انسانی زندگی بہت حد تک پانی پر منحصر ہے، اس کے استعمال میں عدم توازن اور اس میں آلودگی کی وجہ سے انسانی ماحول کو شدید خطرات کا سامنا ہے۔ قرآن کے نقطۂ نظر سے پانی انسان کی بنیادی ضرورت ہی نہیں بلکہ اس کی زندگی کی بنیاد بھی ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ [۱۶]

''ہم نے ہر جاندار چیز کو پانی سے پیدا کیا ہے''

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِنْ مَآءٍ [۱۷]

''اللہ نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا ہے۔

Marfat.com

پانی کو اس کی فطری حالت پر باقی رکھنا اور اس کے استعمال میں سلیقہ کا لحاظ رکھنا انسانوں کی ذمہ داری ہے تا کہ اس سے زندگی بخشنے والی صلاحیت ختم نہ ہو جائے۔ پانی میں رہنے والے جاندار بھی زندہ رہ سکیں اور پانی استعمال کرنے والے انسان وحیوان بھی زندگی پا سکیں۔ حضرت عبداللہ ابن عمرو روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ جناب رسول کریم ﷺ حضرت سعدؓ کے پاس سے گذرے، اس وقت وہ وضو کر رہے تھے اور ضرورت سے زیادہ پانی استعمال کر رہے تھے۔ رسول ﷺ نے فرمایا یہ کیسی فضول خرچی ہے۔ حضرت سعدؓ نے پوچھا کیا وضو میں بھی فضول خرچی ہوتی ہے؟ رسول پاکؐ نے جواب میں فرمایا: ''نعم وان کنت علی نهر جارٍ'' ہاں اگر چہ تم بہتی نہر کے کنارے ہی کیوں نہ وضو کر رہے ہو۔ [۱۸]

اس تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ پانی کا استعمال بھی سلیقہ سے کیا جائے اور پانی کو آلودگی سے محفوظ بھی کیا جائے۔ اسی لیے رسول پاک ﷺ نے پانی میں غلاظت اور کثافت پھیلانے سے منع فرمایا ہے، حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ: ان رسول اللہ ﷺ نهى أن يبال في الماء الدائم [۱۹] ''رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کیا جائے'' جب رسول اللہ ﷺ نے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرما دیا تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دوسری غلاظتوں کو پانی میں ڈالنا رسول پاک ﷺ کے لیے کس قدر تکلیف کا باعث ہوگا۔

حیوانات ماحول کی زینت ہیں:

حیوانات انسان ہی کی طرح اللہ کی مخلوق اور ہمارے ماحول کا حصہ ہیں، انسانوں کی ضرورت اور انسانی ماحول کی زینت ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو ہمارے استعمال کے لیے بنایا ہے اس لیے ان کی نسلوں کا تحفظ اور ان کی دیکھ بھال کرنا انسانوں کی ذمہ داری ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ

Marfat.com

وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ
وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلَى بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ
الْأَنفُسِ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَؤُوفٌ رَّحِيمٌ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ
وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝

''اور جانوروں کو بھی اس نے پیدا کیا ان میں تمہارے لیے پوشاک ہے اور بہت سے فائدے ہیں، اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو، جب شام کو انہیں جنگل سے لاتے ہو اور جب صبح کو چرانے لے جاتے ہو تو ان سے تمہاری خوبصورتی ہے اور دور دراز شہروں میں جہاں تم شدید محنت کے بغیر نہیں پہونچ سکتے وہ تمہارے بوجھ کو اٹھا کر لے جاتے ہیں بے شک تمہارا پروردگار شفیق و مہربان ہے اور اسی نے گھوڑے، خچر اور گدھے پیدا کیے تاکہ تم ان کی سواری کرو، وہ تمہارے لیے زینت اور رونق بھی ہیں اس نے اور بھی جانور پیدا کیے ہیں جن کی تم کو خبر نہیں ہے''۔

یہ آیت وائلڈ لائف کنزرویشن کی عظیم تحریک فراہم کرتی ہے، اس میں جانور کی تخلیق، ضرورت، مقصد، اور ماحول کی ان سے زینت کے بہت سے گوشے اشاروں میں روشن کردیے گئے ہیں۔ خاص طور پر ایک ایسے سماج میں جس کی معیشت میں گلہ بانی مرکزی حیثیت رکھتی ہو، جانوروں کا صبح کو گھر سے نکلنا، چراگاہوں میں جانا اور شام کو واپس آنا ایسا خوش نما منظر پیش کرتا ہے جو انسانوں کی خوشی کا ذریعہ ہے۔

بلاوجہ پیڑوں کو نہ کاٹو:

پیڑ پودے، جنگلات اور باغات ماحول کو سازگار بنانے اور موسم کو معتدل رکھنے میں اہم رول ادا کرتے ہیں اور ماحول میں خوش گواری اور خوبصورتی پیدا

Marfat.com

کرتے ہیں۔ جن علاقوں میں پیڑ پودے، درخت اور باغات کثرت سے پائے جاتے ہیں وہاں انسان راحت اور مسرت محسوس کرتا ہے اور جہاں پیڑ پودے نہیں ہوتے وہاں انسانوں کو راحت نہیں ملتی۔ اسی لیے سیر و تفریح کے لیے انسان ایسا مقامات کا انتخاب کرتا ہے جہاں کے مناظر دیدہ زیب اور فضا خوش گوار ہو۔ چنانچہ ماحولیات کا تقاضا ہے کہ پیڑ پودے برباد نہ کیے جائیں ورنہ موسمی بلائیں در آئیں گی۔ رسول اللہ ﷺ نے تاکید فرمائی ہے کہ بلا ضرورت پیڑوں کو نہ کاٹا جائے۔ ہرے پیڑ انسان اور حیوانات دونوں کی راحت رسانی کرتے ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ: حدود حرم مکہ میں پیڑوں کا کاٹنا جانوروں کا مارنا ممنوع ہے، رسول پاک ﷺ مدینہ تشریف لائے تو آپ نے فرمایا جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا تھا اسی طرح میں مدینہ کو حرم قرار دیتا ہوں نہ تو یہاں پیڑوں کو کاٹا جائے اور نہ جانوروں کو ہلاک کیا جائے ایندھن کی لکڑیاں اور جانوروں کا چارہ اس سے مستثنیٰ قرار دیا گیا۔[۲۱] جنگ میں بہت سی وہ چیزیں اختیار کی جاتی ہیں جو غیر اخلاقی اور غیر انسانی ہوتی ہیں تا کہ دشمن پر قابو پایا جا سکے، مگر رسول پاک ﷺ نے جنگ میں بھی دشمن کے پیڑوں کو کاٹنے سے منع فرمایا ہے۔

پیڑ پودے لگاؤ:

ماحول میں ہریالی موسم کی سازگاری اور انسانوں اور جانوروں کی نفع رسانی کے لیے بہت ضروری ہے اس لیے رسول پاک ﷺ نے پیڑ پودوں کو لگانے کی اہمیت کا احساس دلایا حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”ما من مسلم غرس غرسا فاكل منه انسان او دابة الا كان له به صدقة“[۲۲]

”جو مسلمان کوئی پیڑ لگاتا ہے یا کاشتکاری کرتا ہے اور اس

Marfat.com

پیڑ پودے سے انسان، پرندے یا جانور کھاتے ہیں تو یہ پیڑ لگانے والے کے لیے صدقہ ہے"۔

شجر کاری کو رسول پاک ﷺ نے اتنی اہمیت دی ہے کہ قیامت تک اس کام کو کرتے رہنے کی ہدایت فرمائی۔ حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ان قامت الساعة وبيد احدكم فسيلة فان استطاع ان لايقوم حتى يغرسها فليفعل" [۲۳]

"اگر قیامت کا وقت آجائے اور تم میں سے کسی شخص کے ہاتھ میں کھجور کا پودا ہو اور قیامت کے برپا ہونے سے پہلے وہ اسے لگا سکتا ہو تو اسے ضرور لگا دینا چاہئے"۔

شجر کاری کے ذریعہ ماحول کا تحفظ کرنے کے سلسلہ میں اس سے بڑی بات نہیں کہی جاسکتی، جب کسی شخص کو اگلے لمحہ دنیا سے رخصت ہونے کا خیال آتا ہے تو وہ تعمیر و ترقی کے سارے کام بھول جاتا ہے، اور بس اپنی نجات کے لیے فکر مند ہوتا ہے، مگر رسول پاک ﷺ نے حکم دیا کہ مرتے وقت تک ماحول کو بہتر بنانے کی کوشش کرنا بھی آخرت میں سرخرو ہونے کا ذریعہ ہے۔ یہ انقلابی تعلیم آخری رسول ﷺ ہی سے انسانیت کو مل سکتی ہے۔

عملی مثال:

رسول پاک ﷺ دنیا کے عام قائدین کی طرح محض لوگوں کو زبانی تعلیم ہی نہیں دیتے بلکہ ان کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ جو کچھ فرماتے ہیں اس کی صداقت کو اعتبار عطا کرنے کے لیے خود اس پر عمل کر کے دکھاتے ہیں، چنانچہ ہم متعدد مواقع پر دیکھتے ہیں کہ رسول پاک ﷺ اپنے ہاتھوں سے پیڑ لگاتے ہیں، اور وہ پیڑ برگ و بار بھی لاتا ہے۔

Marfat.com

مدینہ سے کوئی بیس میل کی دوری پر وادیٔ عقیق ہے وہاں رسول پاک ﷺ نے گھوڑوں کے لیے ایک چراگاہ بنائی جسے حمی النقیع کہا جاتا ہے، اس چراگاہ میں آپ نے پیڑ پودے لگوائے، سبزیاں لگوائیں، کچھ عرصہ بعد اس وادی میں اتنی ہریالی ہوگئی کہ گھوڑے پر سوار ہوکر انسان ان پیڑوں کی چھاؤں میں غائب ہوسکتا تھا اس ہریالی کے باعث یہ صرف گھوڑوں کی چراگاہ ہی نہ رہی بلکہ انسانوں کی سیرگاہ بھی بن گئی، اس سیرگاہ کے حدود رسول پاک ﷺ نے اس طرح مقرر فرمائے کہ ایک شخص کو کھجور کے پیڑ پر چڑھ کر بلند آواز لگانے کو کہا آواز کی گونج جہاں تک سنائی دی وہاں تک اس کے حدود مقرر رہوئے۔

رسول پاک ﷺ کی یہ علمی اور عملی مثالیں ماحولیات کے تحفظ کے سلسلہ میں آج کے دانشمندوں، رفاہی اداروں اور ماہرین علوم کے لیے بصیرت اور مہمیز کا کام دیتی ہیں۔

ذمہ داری اور جواب دہی:

رسول پاک ﷺ کی تعلیم کا سب سے اہم حصہ یہ ہے کہ آپ نے انسان کے اندر ذمہ داری اور جواب دہی کا احساس پیدا کیا ہے، آپ نے زمین و آسمان کی نفع بخش چیزوں اور ماحول کی ساری نعمتوں کو ذمہ داری کے ساتھ استعمال کرنے کی تلقین فرمائی ہے اگر اس ذمہ داری کو پورا نہیں کیا تو دنیا میں چاہے حکومت اور معاشرہ بازپرس نہ کرے مگر قیامت میں اللہ تعالیٰ کے حضور ضرور جواب دینا ہوگا، قرآن میں ہے (ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ)[۲۴] قیامت میں ان نعمتوں کے بارے میں ضرور سوال کیا جائے گا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اللہ کی عطا کردہ ان نعمتوں کی حفاظت کی جائے، بقدر ضرورت استعمال کیا جائے، اور فساد و بگاڑ سے بچایا جائے۔

Marfat.com

حوالہ جات:

۱ القرآن الکریم، سورۃ المائدہ:۶

۲ سورۃ البقرہ:۱۶۴ — ۳ سورۃ الانعام:۹۵-۹۶

۴ سورۃ الاعلیٰ ۱ تا ۴ — ۵ سورۃ الرحمٰن:۵-۱۳

۶ سورۃ الاعراف:۵۶ — ۷ سورۃ الروم:۴۱

۸ الصحیح لمسلم، کتاب الطہارۃ، باب النھی عن الاستنجاء بالیمین

۹ سنن النسائی، کتاب المساجد، باب البصاق فی المسجد

۱۰ سورۃ التوبہ:۱۰۸

۱۱ سنن دار قطنی

۱۲ سورۃ الجاثیہ:۱۳ — ۱۳ سورۃ الملک:۱۵

۱۴ سورۃ الانعام:۱۴۱ — ۱۵ سورۃ الاعراف:۳۱

۱۶ سورۃ الانبیاء:۳۰ — ۱۷ سورۃ النور:۴۵

۱۸ سنن ابن ماجہ، ابواب الطہارۃ، باب ماجاء فی القصد فی الوضوء

۱۹ الصحیح لمسلم، کتاب الطہارۃ، باب النھی عن البول فی الماء الراکد

۲۰ سورۃ النحل:۵ تا ۸

۲۱ نور الدین علی بن احمد السمہودی، وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ، پور بندر گجرات، جلد ۱، ص ۱۱۱

۲۲ الصحیح للبخاری، کتاب الادب، باب رحمۃ الناس والبھائم

۲۳ احمد بن حنبل، المسند، جلد ۳، ص ۱۹۱

۲۴ سورۃ التکاثر

Marfat.com

رسول اکرم ﷺ اور شہری منصوبہ بندی

Marfat.com

فرمایا کہ وہاں آپ کے نانہالی رشتہ دار قبیلہ بنو نجار میں موجود تھے، آپؐ کو ان کی حمایت حاصل ہو سکتی تھی۔

دوسرے آپؐ کو خوش آمدید کہنے کے لیے بیعت عقبہ کے نتیجہ میں انصار موجود تھے۔

تیسرے مدینہ ایک ایسی جگہ واقع تھا جہاں سے مکہ کی تجارتی شاہراہ گزرتی تھی اور مکہ کے لوگوں کا انحصار اسی تجارت پر تھا، یہاں سے بسہولت ان کی آمدو رفت پر نظر رکھی جا سکتی تھی اور ان کی معاشی ناکہ بندی کی جا سکتی تھی۔

چوتھے یہ کہ مکہ میں قریش کی طرح کوئی ایسا سربرآوردہ مذہبی قبیلہ موجود نہیں تھا جو آپؐ کی مخالفت کو زندگی کا نصب العین بنا چکا ہو، اوس و خزرج کے زور آور قبائل باہم لڑتے ہوئے اس حد تک تھک چکے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی قیادت باآسانی قبول کر سکتے تھے۔

پانچویں یہ کہ مدینہ جغرافیائی لحاظ سے انتہائی اہمیت کا حامل تھا کہ وہاں بہتر دفاعی حکمت عمل تیار کی جا سکتی تھی اور اسلام کو درپیش خطرات کا تدارک کیا جا سکتا تھا۔

مدینہ کو جنگی اور جغرافیائی نقطۂ نظر سے ایک مستحکم قلعہ کی حیثیت حاصل تھی۔

جزیرۃ العرب کا کوئی اور قریبی شہر اس معاملہ میں اس کا ہم سر نہ تھا، حرۃ الوبرہ مغربی جانب سے مدینہ کو اپنی حفاظت میں لیے ہوا تھا، حرۃ واقم مشرقی سمت سے اس کو گھیرے ہوا تھا، مدینہ کا شمالی حصہ واحد راستہ تھا جو کسی پیش قدمی کے لیے کھلا تھا''[۴]

ہجرت سے پہلے مدینہ کا نام یثرب تھا، قرآن کی سورہ احزاب میں مدینہ کو اسی نام سے پکارا گیا ہے ''یَا أَھْلَ یَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَکُمْ فَارْجِعُوا ''[۵] رسول پاک ﷺ نے یثرب کا نام مدینہ رکھا، جس کے معنی شہر کے ہیں اور بعد میں یہ مدینہ

Marfat.com

الرسول یا مدینہ منورہ کہلایا، اسے طیبہ بطحا اور دار الہجرۃ جیسے متعدد ناموں سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔[6] یہ کوئی دس میل لمبے اور اتنے ہی چوڑے میدانی حصہ پر مشتمل تھا، بیچ بیچ میں چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں بھی تھی جن میں سلع کا پہاڑ مشہور ہے، اسی کے میدانی حصہ پر عرب اور یہودی قبائل کی منتشر بستیاں اور باغات قائم تھے۔[7]

مدینہ کی غالب آبادی اوس وخزرج جیسے مشہور قبائل کے ساتھ یہودی قبائل جیسے بنی قریضہ، بنی نظیر اور بنی قینقاع وغیرہ پر مشتمل تھی۔ مدینہ کی آبادی کا ذریعہ معاش باغبانی، گلہ بانی، تجارت اور اسلحہ کی صنعت تھی، مدینہ کی اصل آبادی کا پیشہ تو کھجور، انار، انگور، غلوں، سبزیوں اور پھلوں کی کاشتکاری تھی، اس کے ساتھ اونٹ، گائے بکری وغیرہ کو پالنا بھی ان کا وظیفہ زندگی تھا، جب کہ تجارت اور صنعت پر یہودی قبائل قابض تھے اور ان کے باغات بھی تھے۔

یہود تجارت ہی نہیں کرتے بلکہ سودی کاروبار بھی کرتے تھے، اسی کے ساتھ اسلحہ کے کی صنعت اور سونے چاندی کے زیورات کی صنعت گری بھی ان کے پاس تھی، مدینہ کا مشہور بازار قینقاع جو کپڑوں اور سونے چاندی کی تجارت کے لیے مشہور تھا ان ہی کے محلّہ میں تھا، تجارت اور صنعت اور سودی کاروبار کی وجہ سے زراعت اور گلہ بانی کرنے والے قبائل پر ان کو معاشی سماجی اور سیاسی برتری اس طرح حاصل ہوگئی تھی جس طرح ہندوستان میں بنیوں، مارواریوں اور سندھیوں کو حاصل ہے، یہود ان کاشتکاروں کا استحصال کیا کرتے تھے قرآن کریم کی سورہ النساء میں یہود کی سودی اور استحصالی ذہنیت پر تنقید کی گئی ہے:

وَأَخْذِهِمُ الرِّبٰو وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ[8]

"وہ منع کرنے کے باوجود سود لیتے تھے اور لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے۔"

مدینہ میں ان قبائل کے مکانات شمال میں جبل ثور سے لے کر جنوب میں

Marfat.com

جبل عسیر تک فاصلہ سے پھیلے ہوئے تھے۔ ان کے اعلیٰ حصہ میں یہودی آباد تھے اور نشیبی حصہ میں یثرب کے باشندے آباد تھے۔ ۹ یہ مکانات عمومی نوعیت کے تھے البتہ یہودیوں کے مکانات نسبتاً اعلیٰ قسم کے محلات قلعوں اور گڑھیوں پر مشتمل تھے جن کو اطام اور آجام کہا جاتا ہے۔ مشہور سیرت نگار ''نورالدین سمہودی'' نے یہودیوں کے ۵۹ قلعوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ۱۰ ان قلعوں میں اسباب زندگی کے ساتھ کنواں، مدافعت کے سامان بھی ہوتے تھے، تجارتی قافلے بھی انہی قلعوں کے باہر آکر رکتے تھے اور وہیں کاروبار اور لین دین بھی ہوتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے وقت مدینہ کی آبادی دس ہزار نفوس پر مشتمل تھی جن میں مسلمان صرف پانچ سو تھے، مدینہ پہنچنے پر ان مسلمانوں نے رسول پاک ﷺ کا استقبال کیا تھا۔ ۱۱ جو لوگ ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ گئے تھے ان کو وہاں سے نکال باہر کرنے کے لیے قریشِ مکہ کی دھمکیاں مدینہ کے سربرآوردہ لوگوں کو برابر موصول ہو رہی تھیں، رسول اللہ ﷺ مدینہ کو اسلام کا مرکز یا دارالسلطنت بنانا چاہتے تھے مگر ان کے سامنے کئی مسائل کھڑے تھے جن کو رسول پاک ﷺ نے اپنی ہمت، حکمت، دوراندیشی اور منصوبہ بندی سے حل کیا اور دنیا کے سامنے دعوت اور ریاست کی تشکیل کی ایک قابل تقلید مثال قائم کردی۔ رسول پاک ﷺ کے پیش نظر حسب ذیل چیزیں مدینہ کی شہری منصوبہ بندی کے لحاظ سے اہمیت کی حامل تھیں۔

(۱) مدینہ میں مہاجرین کے قدم جانا

(۲) مدینہ میں مسلم آبادی کو قابل لحاظ بنا کر دارالاسلام بنانا۔

(۳) مدینہ کے باشندوں میں امن و اعتماد پیدا کرنا اور آس پاس کی آبادی کو اس میں شامل کرنا

(۴) بیرونی حملہ آوروں سے مدینہ کا دفاع کرنا۔

(۵) مدینہ کو اسٹیٹ سٹی اور مثالی شہر بنانا۔

Marfat.com

رسول پاک ﷺ نے مدینہ پہنچ کر اوس وخزرج دونوں متحارب قبائل کی قیادت اپنے ہاتھ میں لے کر ان کو باہم متحد کیا، اور جو مہاجرین مکہ سے گھربار چھوڑ کر یہاں آئے تھے ان کو بسانے کا انتظام کیا، اگر آج کسی شہر میں بڑی تعداد میں پناہ گزین آجائیں تو بہت سے سماجی اور معاشی مسائل اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور آج دنیا کے لیے مہاجرین کا مسئلہ دشوار مسائل میں شمار ہوتا ہے، مگر رسول پاک ﷺ کی منصوبہ بندی کے سبب یہ مسئلہ اس آسانی سے حل ہوا کہ وہ بجائے خود ایک نمونہ ہے۔ ہوا یہ کہ آپ نے ہر ایک مہاجر کو ایک انصار کا بھائی قرار دے کر اس کے خاندان کا ممبر بنادیا اس طرح نہ تو مہاجرین کے کیمپ بنانے پڑے اور نہ الگ سے مہاجر بستی آباد کرنی پڑی بلکہ انصار کے درمیان ان کے گھروں اور افتادہ زمینوں میں آباد ہوگئے اور مہاجر و انصار خوشی خوشی ایک ساتھ رہ کر اسلامی معاشرہ کی تشکیل کا حصہ بن گئے۔ اس مواخاۃ میں ۹۰ انصار اور مہاجر شریک تھے۔ [۱۲]

مسلمانوں کو باہم متحد اور مربوط کرنے کے ساتھ آپ نے مدینہ کے باشندوں کا ایک وفاق قائم کیا اور ایک میثاق تیار کیا جس میں مذہبی آزادی، مل جل کر رہنے، ایک دوسرے کی مدد کرنے اور بیرونی حملہ آوروں کا مل کر مقابلہ کرنے کو خاص اہمیت دی گئی تھی، یہ معاہدہ میثاق مدینہ کے نام سے معروف ہے جو تقریباً ۵۲/ دفعات پر مشتمل ہے۔ [۱۳] اس معاہدے میں مدینہ کے بیشتر قبائل شریک تھے۔ اس طرح آپ نے مدینہ شہر میں امن وامان اور داخلی استحکام کو یقینی بنالیا اور ایک شہری مملکت City-State کی بنیاد ڈالی، ڈاکٹر حمید اللہؒ کے بقول "رسول کریم ﷺ نے خود ایک مملکت قائم کی اور اس ملک میں جہاں ہمیشہ سے نراج سا چلا آرہا تھا ایک مرکزیت اور ایک تنظیم پیدا کی اور عربوں کو خانہ جنگیوں کے ذریعہ سے اپنی توانائیوں کو ضائع کرنے سے روک کر انھیں اپنے زمانہ میں دنیا کی سب سے بڑی فاتح اور نو آباد کار قوم بنادیا اور ان کے ذہنوں سے احساس کمتری کو کلی طور پر دور کر کے ان میں وہ جوش اور جذبہ بھر دیا جسے احساس برتری یا احساس خودشناسی کہا جاسکتا

Marfat.com

ہے اور جو کسی ترقی پذیر قوم کے لیے اس قدر ضروری ہوتا ہے"۔ ۱۴

آپ نے شہر مدینہ کے حدود کا بھی تعین کیا مشرق اور مغرب میں لاوے کی پہاڑیاں اور حرہ کا میدان شمال میں جبل ثور اور جنوب میں جبل عیر مدینہ کی حدود اربعہ قرار پائے۔ ۱۵ رسول پاک ﷺ نے مکہ کی طرح مدینہ کو بھی حرم قرار دیا۔ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ المدینة حرم مابین عیر و ثور ۱۶ مدینہ عیر سے ثور تک حرم ہے۔ جبل ثور احد کے پیچھے ہے اور جبلِ عیر ذی الحلیفہ کی میقات کے پاس مکہ کی طرف ہے۔ ۱۷ آپ نے آس پاس کے قبائل کو اس وفاق میں شامل ہونے کی دعوت دی تاکہ دشمن اگر اس شہر پر حملہ آور ہوں تو ان کے خلاف یہ قبائل دفاع اور اطلاع کے نقطۂ نظر سے مددگار بن سکیں، اس مقصد کے لیے آپ نے ساحلی علاقوں مثلاً ینبوع وغیرہ کا دورہ بھی کیا، اسی کے ساتھ آپ نے آس پاس کے قبائل کو اسلام کی دعوت دی اور تبلیغی وفود بھیجے۔

جن آبادیوں کے لوگ منتشر طور پر ایمان لاتے یا چھوٹی آبادی ہوتی تو ان کو مدینہ میں لاکر بسایا جاتا۔ ان کی تعلیم و تربیت اور معاشی ضرورت کا انتظام کیا جاتا۔ اس طرح مدینہ کی مسلم آبادی تیزی سے بڑھنے لگی، اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۲ھ میں جب رسول پاک ﷺ نے جنگی مہم کے لیے مسلمانوں کی مردم شماری کرائی تو ان کی تعداد کوئی ۱۵ ارسوتھی۔ ۱۸ اس طرح ہر سال مدینہ میں مسلمانوں کا جماؤ بڑھتا رہا اور مدینہ فطری رفتار سے شہری مملکت کی شکل اختیار کرتا رہا۔ ابتدا میں ہجرت مدینہ ایمان کا لازمی حصہ قرار دی گئی چناں چہ قرآن کریم میں فرمایا گیا:

وَالَّذِیْنَ آمَنُوا وَلَمْ یُهَاجِرُوا مَا لَكُم مِّن وَلَایَتِهِم مِّن شَیْءٍ حَتّٰی یُهَاجِرُوا ۱۹

"جو لوگ ایمان لائے مگر ہجرت نہیں کی تمھارے لیے ان کی کچھ رفاقت نہیں جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں"

اسلام قبول کرنے والوں کو مدینہ میں لاکر بسانے سے، رسول اللہ ﷺ کے

Marfat.com

پیش نظر چار مقاصد تھے۔

اول تو یہ کہ اسلام قبول کرنے والوں کے سامنے کوئی ایسا چیلنج نہ رہنے دیا جائے کہ وہاں کی غالب مشرک آبادی دھونس و دھاندلی سے یا ڈر و خوف پیدا کر کے یا لالچ دے کر ان کو اسلام سے مرتد کر دے۔

دوسرے یہ کہ مدینہ میں لا کر نو مسلموں کی تعلیم و تربیت کا موثر انتظام کیا جائے، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی اعتقادی اور عملی تعلیم کے علاوہ رسول اللہ کی صحبت و قربت سے ان کا تزکیہ ہو۔

تیسرے یہ کہ دیہاتی زندگی میں مزاج کی سختی، اخلاق کی پستی، اجڈ پن اور بود و باش میں جو گنوار پن راہ پا جاتی ہے شہر میں لا کر ان کی اصلاح کی جائے اور ایک قومی بلکہ بین الاقوامی شہریت کے لیے مزاج بنایا جائے۔ چناں چہ ایک موقع پر رسول پاک ﷺ نے قریش، انصاری، ثقفی اور دوسی جیسے متمدن قبائل کے علاوہ دیہاتیوں کا ہدیہ قبول کرنے سے انکار فرمایا تھا۔[20] علامہ ابن کثیر نے اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"یہ لوگ مکہ، طائف، مدینہ اور یمن جیسے شہروں کے رہنے والے تھے اس لیے ان کے اخلاق بدوؤں کے مقابلہ میں نرم تھے کیوں کہ بدوؤں کی طبیعت میں سختی ہوتی ہے"۔[21] خود رسول پاک ﷺ نے فرمایا: من سکن البادیة جفا[22] جس نے بدوی رہائش اختیار کی اس نے زیادتی کی۔ ابو عبید القاسم بن سلام نے لکھا ہے کہ دیہاتیوں کو فیئے کے مال سے اس طرح مقررہ وظائف نہیں ملیں گے جیسے ان شہری باشندوں کو ملیں گے جو مسلمانوں کے معاملات میں شریک رہتے اور اپنی جانوں اور مالوں سے دشمنان اسلام کے مقابلہ میں مدد کرتے یا خود اپنی رہائش سے اسلامی آبادی کو بڑھاتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا علم رکھتے ہیں، حدود نافذ کرنے میں مددگار ہوتے ہیں، عیدین و جمعہ میں شریک ہوتے ہیں اور خیر کی تعلیم میں حصہ لیتے ہیں ان سب امور کی انجام دہی کے لیے اللہ تعالیٰ

Marfat.com

نے شہری آبادی کو دیہاتی آبادی پر خصوصیت بخشی ہے۔[۲۳]

چوتھے یہ کہ مدینہ میں اس طرح آبادی کا تناسب قائم کر دیا جائے کہ نسلی تصادم یا داخلی وخارجی ٹکراؤ کا امکان باقی نہ رہے۔

اور پانچویں یہ کہ مسلم آبادی کا ارتکاز مدینہ میں کر کے کفار مکہ کے ممکنہ حملوں کا استعمال ممکن ہو سکے، رسول پاک ﷺ کی یہ منصوبہ بندی پورے طور پر کامیاب رہی اور آپ نے نہ صرف مدینہ کے اندر مہاجرین کو آباد کر دیا بلکہ مدینہ کے مضافاتی علاقوں میں بھی نو مسلم کالونیاں آباد کر دیں۔ اس طرح اندرونی اور بیرونی دونوں خطرات کا سد باب ممکن ہو سکا۔

سیرت نگار لکھتے ہیں کہ جب کسی قبیلہ کا وفد مدینہ آکر اسلام قبول کرنے کا اظہار کرتا تو آں حضرت ﷺ ان لوگوں کو مدینہ آنے کی ہدایت فرماتے۔ اسی طرح جب کبھی دورہ کرنے والے مبلغ بھیجے جاتے تو ان کو سمجھا دیا جاتا کہ نومسلموں سے کہہ دیں کہ وہ مدینہ جائیں جہاں ان کے لیے روزگار کا انتظام کیا جائے گا، یہ لوگ زیادہ تر قابل کاشت افتادہ زمینوں اور بعض صورتوں میں معدنیات کی کانوں میں کام کر کے اپنی گزر بسر کا انتظام کر لیتے تھے۔[۲۴]

حضرت بریدہ روایت کرتے ہیں کہ رسول پاک ﷺ جب کسی علاقہ میں فوجی دستہ روانہ کرتے تو لشکر کے امیر کو خدا کا خوف اور ایفاء عہد اور انصاف وغیرہ کی نصیحت کرنے کے ساتھ یہ بھی حکم فرماتے کہ کفار کو پہلے اسلام کی دعوت دی جائے اگر وہ اسے قبول کر لیں تو جنگ نہ کی جائے اور ان سے کہا جائے کہ وہ اپنا وطن چھوڑ کر دار الہجرۃ یعنی مدینہ منتقل ہو جائیں اگر وہ اس پر آمادہ ہو جائیں تو ان کو بتا دیا جائے کہ ان کے حقوق وفرائض مہاجرین کی طرح ہوں گے۔[۲۵]

مدینہ کی آب وہوا مہاجرین کے لیے کچھ زیادہ سازگار نہ تھی، حضرت ابوبکر اور حضرت بلال جیسے بہت سے مہاجر صحابہ بخار اور دوسرے موسمی امراض میں مبتلا ہوئے، خطرہ تھا کہ مدینہ میں مسلم آبادکاری کا منصوبہ کہیں مشکل میں نہ پڑ

Marfat.com

جائے، اور ایسا ہوا بھی کہ بہت سے دیہاتی جنھوں نے مدینہ آکر حضور ﷺ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا وہ بیماری و آزاری کا شکار ہو کر مرتد ہو گئے، چناں چہ ایک شخص نے جب رسول پاک ﷺ سے بیعت کر لی اور اس کے بعد بخار میں مبتلا ہو گیا تو اس نے حضور سے بیعت توڑنے کی درخواست کی جب حضور نے انھیں منع فرما دیا تو وہ مدینہ سے بھاگ گیا، آپ نے اس موقع پر فرمایا: انما المدینه کا لکیر تنفی خبثها وتنضع طیبها ۲۶؎ مدینہ ایک بھٹی کی طرح ہے جو گندگی کو نکال دیتی ہے اور پاکیزگی کو صیقل کر دیتی ہے، اسی طرح اہل عکل اور عرینہ کے مدینہ میں بیمار ہونے اور مرتد ہونے کے واقعات سیرت کی کتابوں میں بہت مشہور ہیں۔ ۲۷؎ اس خطرہ سے نمٹنے کے لیے جہاں رسول پاک ﷺ نے حفاظتی تدابیر اختیار کیں وہاں مسلمانوں کو صبر اور تحمل اور برداشت کی بھی خصوصی تعلیم دی آپ نے فرمایا:

من صبر علی لاوائها وشدتها کنت له شهیدا او شفیعا
یوم القیٰمة ۲۸؎

"جو شخص مدینہ کی حرارت اور شدت پر صبر کرے گا میں قیامت کے
دن اس کے لیے نجات کی سفارش کروں گا"

نیز رسول پاک نے مدینہ میں وفات پانے اور وہاں دفن کیے جانے کو بھی باعث فضیلت قرار دیا تاکہ لوگ مدینہ سے واپس جانے کا خیال ترک کر دیں۔ آپ نے فرمایا!

من استطاع ان یموت بالمدینة فلیمت بها فمن فات
بالمدینة کنت له شفیعا یوم القیمة ۲۹؎

جو شخص مدینہ میں وفات پا سکتا ہو اسے مدینہ میں وفات پانا چاہیے
اور جو شخص مدینہ میں وفات پائے گا قیامت کے دن میں اس کا
سفارشی ہوں گا۔

اسی کے ساتھ رسول پاک ﷺ نے مدینہ سے محبت کرنے اور اس میں

Marfat.com

برکت عطا کرنے کی خصوصی دعائیں اللہ تبارک وتعالیٰ سے مانگیں۔

الھم حبب الینا المدینۃ کحبنا مکۃ او اشد الھم بارک لنا فی صاعنا وفی مدنا وصححھا لنا وانقل حما الی جحفۃ[۳۰]

اے اللہ ہمیں مکہ کی محبت کی طرح یا اس سے زیادہ مدینہ کی محبت عطا کر، اس کو سازگار بنا اس کے ناپ تول کے پیمانوں میں ہمیں برکت عطا کر اور اس کی بیماری کو جحفہ تک دور کر دے۔

مزید یہ بھی کہ رسول پاک ﷺ نے مدینہ کی شہریت کو مضبوط و مستحکم کرنے کے لیے مدینہ میں جائداد بنانے کی طرف بھی مسلمانوں کو متوجہ کیا، آپ نے فرمایا!

من کان لہ بالمدینہ اصل فیتمسک بہٖ ومن لم یکن بھا اصل فلیجعل لہ بھا اصلا ولو قصیرۃ[۳۱]

جس کے پاس مدینہ میں جائداد ہو اسے اپنے پاس رکھے اور جس کے پاس نہ ہو وہ وہاں جائداد بنائے اگرچہ کھجور کا چھوٹا پیڑ ہی کیوں نہ ہو۔

ان روحانی اور سماجی تدابیر نے مدینہ میں مسلمانوں کے قدم جما دیئے اور مدینہ کی شہریت مضبوط اور فزوں تر ہوگئی۔ لیکن اسلام کے بڑھتے ہوئے اثرات، مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت اور رسول اللہ ﷺ کی مقبول عام قیادت سے یہودی قبائل خوف اور حسد کی نفسیات میں مبتلا ہوگئے انھوں نے اسلام کی مخالفت شروع کردی اور پیغمبر اسلام کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا، یہاں تک کہ کفار قریش کے مقابلہ میں رسول کریم ﷺ کا ساتھ دینے کا جو معاہدہ کیا تھا اسے توڑ کر مسلمانوں کے خلاف سازش کرنے لگے، کھلم کھلا غداری پر اتر آئے اور کفار کو دعوت دے کر مدینہ پر چڑھا لائے۔ ان کی اس غداری کی سزا یہ دی گئی کہ یکے بعد دیگرے ان کا محاصرہ کیا گیا اور ان کو حدود مدینہ سے باہر نکال دیا گیا اور اس علاقہ میں مسلمانوں کو آباد کیا گیا۔ سب سے پہلے بنی قینقاع پھر بنی نضیر اور پھر بنی قریظہ سزایاب ہوئے۔

Marfat.com

قرآن کی سورہ حشر میں بنی نضیر کے محاصرہ پر مفصل تبصرہ ہے۔ ۳۲

اب مدینہ پورے طور پر اسلامی مملکت بن گیا تھا اور اس کی غالب آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہو چکی تھی۔ لہٰذا رسول پاک ﷺ نے فتح مکہ کے بعد نو مسلموں سے ہجرت کا مطالبہ ترک کر کے پورے عرب کو دارالاسلام بنا دیا اور اعلان فرما دیا:

لاھجرۃ ولکن جھاد و نیۃ واذا استنفرتم فانفروا۔ ۳۳

''فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں لیکن جہاد اور نیت باقی ہے۔ جب جہاد کے لیے بلایا جائے تو نکل کھڑے ہو۔''

یعنی مسلمان جہاں کہیں رہیں وہ اسلامی مملکت کا حصہ قرار پائیں گے اور ان کو وہی حقوق اور مراعات حاصل ہوں گے جو مدینہ کے باشندے کو حاصل ہیں۔ چناں چہ قبیلہ مزنیہ جو مدینہ سے ۲۰ رمیل کی دوری پر تھا اس قبیلہ کے کئی سو لوگ مسلمان ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو وہیں رہنے دیا اور ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام فرمایا اور مہاجرین کی طرح حقوق و مراعات کا اعلان فرمایا۔ ۳۴

حضرت ابو سعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دیہاتی نے نبی ﷺ سے ہجرت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ تم پر افسوس ہے، ہجرت کا معاملہ سخت ہے، کیا تمھارے پاس اونٹ ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ آپ نے پوچھا کیا تم اس کی زکوٰۃ ادا کرتے ہو؟ اس نے کہا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا تم سمندر کے اس پار رہ کر عمل کرتے رہو اللہ تعالیٰ تمھارے اجر میں کوئی کمی نہیں کرے گا۔ ۳۵

اس نئی پالیسی کا ایک مقصد تو یہ تھا کہ مسلم علاقوں کی اور اسلامی مملکت کی حدود کی توسیع کی جائے اور دوسرے یہ کہ مدینہ کی شہری آبادی کو غیر ضروری اور غیر فطری طور پر پھیلنے سے روکا جائے۔ یمن کے کچھ لوگ خدمت نبوی میں مدینہ حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ اللہ کے رسول! آپ کا نمائندہ ہمارے یہاں آیا اور اس نے ہم سے کہا کہ جو مدینہ ہجرت نہیں کرے گا اس کا اسلام غیر معتبر سمجھا جائے گا، ہمارے ملک میں ہمارا کاروبار اور ذریعہ معاش ہے۔ آپ کا حکم ہو تو سب کچھ

Marfat.com

چھوڑ کر مدینہ آنے کو تیار ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ نہیں تم جہاں ہو وہیں رہو، تم کو مہاجرین ہی کی طرح حقوق و فرائض حاصل ہوں گے۔ ۳۶

سلمہ بن اکوع جب مدینہ آئے تو ان کو بریدہ بن الحصیب ملے اور بولے اے سلمہ! کیا تم اپنی ہجرت سے پلٹ گئے؟ انھوں نے کہا معاذ اللہ! مجھے مدینہ چھوڑ نے کی اجازت خود حضور اکرم ﷺ سے ملی ہے آپ کو یہ فرماتے ہوئے میں نے سنا ہے "مضافاتی علاقوں اور گھاٹیوں میں جا کر بس جاؤ" اس پر لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس طرح ہمیں اندیشہ ہے کہ ہماری ہجرت میں نقصان نہ ہو جائے آپ نے فرمایا تم جہاں کہیں رہو گے مہاجر تسلیم کیے جاؤ گے"۔ ۳۷

حضرت ابوذر غفاریؓ سے رسول کریم ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا جب مدینہ کی آبادی سلع تک پہنچ جائے تو تم مدینہ چھوڑ دینا اور شام چلے جانا۔ ۳۸

ان احکامات اور واقعات سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ رسول پاک ﷺ مدینہ شہر کی آبادی اور اس کے وسائل میں تناسب قائم رکھنے کے لیے غیر ضروری طور پر بڑھنے سے روکنے کے حق میں تھے اور دوسرے شہر آباد کرنے کی ہمت افزائی فرماتے تھے۔ یہ وہی پالیسی تھی جس پر بعد میں خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ نے عمل کرتے ہوئے کوفہ اور بصرہ جیسے نئے شہر آباد کیے۔ اس پالیسی کو شہری منصوبہ بندی میں سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔

علامہ اقبال نے مسولینی سے ملاقات کے وقت جب رسول کریم ﷺ کی اس پالیسی کا تذکرہ کیا کہ شہر کی آبادی میں غیر ضروری اضافہ کے بجائے دوسرے شہر آباد کیے جائیں تو مسولین مارے خوشی کے اچھل پڑا۔ کیوں کہ اسے شہری منصوبہ بندی کی شاہ کلید ہاتھ آ گئی۔ ۳۹

ہندوستان کے بڑے شہروں میں جھگی جھوپڑیوں کی تعداد جس تیزی سے بڑھ رہی ہے اور گاؤں کی آبادی جس کثیر تعداد میں شہر کا رخ کر رہی ہے اس سے بہت سی ماحولیاتی، معاشی، سماجی پیچیدگی اور حفاظت کے مسائل اٹھ کھڑے ہوئے

Marfat.com

ہیں۔ رسول کریم ﷺ کی اس منصوبہ بندی سے روشنی حاصل کرتے ہوئے اگر گاؤں میں ضروری سہولیات مثلاً سڑک، بجلی، ہسپتال اور تعلیم گاہ فراہم کردی جائیں اور صنعت گاہوں کا رخ ادھر کر دیا جائے تو شہری مسائل کو سلجھانے میں مدد مل سکتی ہے، ایریا کے مسائل پر قابو پایا جاسکتا ہے اور غیر منصوبہ بند آبادی کے سیلاب کو روکا جاسکتا ہے۔

شہری منصوبہ بندی میں عدالت، ہسپتال، گیسٹ ہاؤس، سڑکیں، پارک، تعلیم گاہ، سکریٹریٹ اور عبادت گاہوں کو کلیدی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ رسول پاک ﷺ نے مدینہ کی منصوبہ بندی کرتے وقت ان تمام ضروریات وسہولیات کو ترجیحی حیثیت دی۔ آپ نے سب سے پہلے مسجد نبوی کی تعمیر فرمائی، یہ مسجد ہمارے زمانہ کی عام مسجدوں کی طرح محض ایک عبادت گاہ نہیں تھی بلکہ وہ City-State کا سکریٹریٹ بھی تھی، عبادت گاہ بھی تھی تعلیم گاہ بھی تھی اور حسب ضرورت وہاں خیمہ نصب کر کے اسپتال کا کام بھی لیا جاتا تھا۔

مسجد نبوی جائے وقوع کے اعتبار سے مدینہ کے وسط میں واقع ہے۔ جب رسول پاک ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے تشریف لائے تو قباء، بنوسالم اور کئی محلوں کے لوگوں نے دست بستہ اپنے یہاں قیام کی پیش کش کی، مگر حضور اقدس ﷺ ان سب کو رد کرتے ہوئے قبیلہ بنونجار میں حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر فروکش ہوئے جو آج صحن مسجد کا حصہ ہے۔ [۴۰]

اس جگہ کے انتخاب کی حکمت اس وقت سمجھ میں آتی ہے جب ہم مدینہ کی شاہراہوں کا مطالعہ کریں، آپ دیکھیں گے کہ مدینہ کی تمام سڑکوں کا سرا مسجد نبوی سے آکر ملتا ہے۔ اس مرکزیت کا خیال صرف مسجد ہونے کی بناء پر نہیں رکھا گیا۔ کیوں کہ ہم جانتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی زندگی میں مسجد نبوی کے علاوہ ۹ رمزید مساجد مختلف محلوں میں تعمیر ہوگئیں تھیں۔ [۴۱] بلکہ یہ انتخاب اس وجہ سے بھی تھا کہ وہی ریاست کے سربراہ اعلیٰ کی رہائش گاہ بھی تھی، وہ سکریٹریٹ بھی تھی، جہاں منصوبہ بندی کی جاتی، جہاں سے فوج کشی کی جاتی، جہاں سے مبلغین اور معلمین بھیجے جاتے، جہاں

Marfat.com

حساب و کتاب رکھا جاتا اور جہاں سے مختلف گورنروں اور دیگر ممالک کے سربراہوں سے خط و کتابت کی جاتی تھی۔ وہیں ایک چبوترہ بنا کر تعلیم گاہ بھی بنا دی گئی جس کی حیثیت مرکزی اقامتی درسگاہ یا اعلیٰ تعلیم کے ادارہ کی تھی، جسے صفّہ کہا جاتا ہے، کیوں کہ مسلمانوں کو ہدایت کر دی گئی تھی کہ وہ ابتدائی تعلیم اپنے محلوں کی مسجدوں میں حاصل کریں۔ صفّہ کی حیثیت تعلیم گاہ کے علاوہ نادار مسلمانوں کی پناہ گاہ کی بھی تھی۔

امام بخاریؒ نے ''باب الخیمه للمرضی فی المسجد '' قائم کر کے یہ واضح کیا ہے کہ رسول پاک ﷺ نے ہسپتال کے قیام کو بھی اپنی اولین توجہ کا مرکز بنایا اور اس کے لیے مسجد نبوی کے صحن میں خیمہ نصب کیا جاتا جہاں مریضوں کا علاج ہوتا۔[۴۲] ہمارے عہد کی طرح انسان نت نئی بیماریوں کا شکار نہ تھا رسول پاک ﷺ کی تعلیم صحت و صفائی نے بیماری کو کم سے کم کر دیا تھا اس کے باوجود جو لوگ بیمار ہوتے تھے ان کو علاج کرانے پر زور دیا گیا اور ان کے لیے مسجد نبوی میں شفاخانہ کا انتظام کیا گیا۔

اس منصوبہ بندی میں مہمان خانہ یا گیسٹ ہاؤس کا بھی خیال رکھا گیا تھا، رسول پاک ﷺ سے ملنے اور دین اسلام کو سمجھنے کے لیے آئے دن نو مسلموں اور مہمانوں کی آمد ہوتی تھی، ان مہمانوں کا قیام انصار کے گھروں میں کیا جاتا اور مسجد نبوی میں بھی کسی حد تک ان کو ٹھہرایا جاتا، خاص طور پر صفّہ کا مدرسہ اس کے لیے موزوں تھا، بعد میں جب خوش حالی آئی اور مہاجرین کے مکانات تعمیر ہونے لگے تو باقاعدہ گیسٹ ہاؤس کا بھی انتظام کیا گیا، اس کی شکل یہ ہوئی کہ حضرت عبدالرحمان بن عوف نے جو ایک مشہور مہاجر تاجر تھے ایک بڑا سا گھر بنایا ان کے اس بڑے سے گھر کو گیسٹ ہاؤس بنا دیا گیا، نورالدین سمہودی کا بیان ہے کہ:

کان عبد الرحمان ینزل فیها ضیفان رسول الله صلی الله علیه وسلم فکانت ایضا تسمی دار الضیفان ''[۴۳]

عبدالرحمان بن عوف اس میں رسول اللہ ﷺ کے مہمانوں کو ٹھہرایا

Marfat.com

کرتے تھے چناں چہ اس گھر کو گیسٹ ہاؤس بھی کہا جاتا تھا۔

مدنی زندگی کے آخری دنوں میں بالخصوص ۹ ھ میں جب مفتوحہ ممالک کے Delegations کی آمد کثرت سے ہونے لگی، جن کی تعداد بعض اوقات دوسو تک پہنچ جاتی تو بعض بڑی حویلیوں کو گیسٹ ہاؤس بنا کران کے قیام وطعام کا انتظام کیا جاتا۔ ۴۴ے اس طرح رسول پاک ﷺ نے ریاست کے مہمانوں کی مہمان نوازی کے لیے انصار کی روایتی مہمان نوازی کے جذبہ کا بھی فائدہ اٹھایا اور باقاعدہ مہمان خانے بھی قائم فرمائے۔

شہری منصوبہ بندی کا ایک اہم حصہ رسول پاک ﷺ کے نزدیک یہ تھا کہ ہر شہری کو علیحدہ مکان دستیاب ہو، آپ نے فرمایا ''من سعادة المرء الدار الوسیع والمرکب الھنی'' ۴۵ے انسان کی خوش حالی کے لیے جو چیزیں ضروری ہیں ان میں کشادہ مکان اور قابو کی سواری بھی ہے۔

اسی نقطۂ نظر سے آپ نے مشترکہ خاندانی نظام یعنی جوائنٹ فیملی سسٹم کو ناپسند فرمایا اور علیحدہ مکان کی فراہمی پر زور دیا تاکہ انسان کو نجی زندگی کی سہولت، سرور اور لطف نصیب ہو اور وہ سکون سے اپنی عبادت انجام دے سکے۔

مہاجرین مکہ کو ابتدا میں انصار کے ساتھ ان کے گھروں میں ٹھہرایا گیا، بعد میں رسول پاک نے ان کے لیے قطعۂ اراضی کی فراہمی اور مکانات کی تعمیر کا منصوبہ بنا کر ان کو اپنے گھروں میں آباد کیا، ابن سعد اور سمہودی جیسے سیرت نگاروں نے اپنی کتابوں میں اس منصوبہ بندی کی تفصیل بیان کی ہے، اس آبادکاری کے لیے آپ نے افتادہ زمین کو استعمال کیا اور انصار کی طرف سے ہبہ کردہ آباد جگہوں سے بھی استفادہ کیا گیا، اس آبادکاری میں حضرت حارثہ بن نعمان نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ یہ صحابہ میں پہلے شخص ہیں جنھوں نے اس کام کے لیے رسول پاک کو اپنی زمین اور مکانات ہبہ کیں۔ ۴۶ے اس طرح کے اور بھی اہل خیر اصحاب تھے جن کو آبادکاری کی سعادت حاصل ہوئی۔

Marfat.com

آبادی بڑھنے کے ساتھ شہر کی زمین رہائش کے لیے کم اور نسبتاً مہنگی ہوتی چلی جاتی ہے، یہ دشواری عہد نبوی میں بھی پیش آنے لگی، اس مشکل کو حل کرنے کے لیے رسول پاک ﷺ نے کئی منزلہ عمارت بنانے کا مشورہ دیا۔ مدینہ میں محلوں اور قلعوں کے علاوہ اور مکانات بھی ایک سے زیادہ منزلوں پر مشتمل ہوتے تھے۔ خود رسول پاک ﷺ ہجرت کے بعد سات ماہ تک حضرت ابوایوب انصاریؓ کے دومنزلہ میں قیام فرما ہوئے پہلی منزل میں حضرت ابوایوب کی فیملی تھی اور اوپر کی منزل میں آپ نے قیام فرمایا۔ ۴۷ حضرت خالد بن ولید کی بہت اولاد تھیں۔ ان کے لیے ان کا مکان چھوٹا پڑتا تھا۔ انھوں نے رسول پاک ﷺ کے سامنے یہ مسئلہ رکھا تو آپ نے فرمایا:

"ارفع النباء فی السماء واسئل اللہ السعہ ۴۸

اوپر کی منزل تعمیر کرو اور اللہ سے کشادگی کی دعا بھی کرو۔

آبادی میں اضافہ ہونے کے ساتھ جب محلّہ گنجان ہونے لگا تو گلیاں اور راستے بھی تنگ ہونے لگے، رسول پاک ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ راستوں کو اتنا چوڑا رکھا جائے کہ دو لدے ہوئے اونٹ آسانی کے ساتھ گزر سکیں۔ ۴۹ شہری منصوبہ بندی کا اہم حصہ سڑکیں ہوتی ہیں، سڑکوں کے تنگ ہونے سے ٹریفک کے مسائل بڑھتے ہیں گندگی بڑھتی ہے اور سماجی پیچیدگیاں بڑھتی ہیں۔ حضور ﷺ کے زمانے میں باربرداری کی عام شکل اونٹ کی باربرداری تھی۔ ہمارے عہد میں ٹریکٹر اور ٹرک وغیرہ باربرداری کی عمومی شکل ہے۔ سنت رسول کو رہنما مان کر مسلم علاقوں کی گلیوں کو اتنا کشادہ تو کرنا چاہیے کہ دو ٹریکٹر آسانی سے گزر سکیں۔ ڈولپمنٹ اتھارٹی اور کالونائزر دونوں کے لیے یہ نشان راہ ہے کہ وہ کالونی آباد کرتے وقت سڑکوں کی مناسب کشادگی کا اہتمام کریں۔

شہری منصوبہ بندی کا اہم مسئلہ صفائی اور صحت کا اہتمام بھی ہے۔ سڑکوں گلیوں اور محلوں میں غلاظت اس طرح جمع نہ ہوجائے کہ وہ صحت اور ماحول کے

Marfat.com

لیے خطرہ بن جائے۔ چناں چہ بلدیہ کی اولین ذمہ داری اس مسئلہ پر توجہ دینا ہے۔
رسول پاک ﷺ نے گھر، آنگن اور ماحول کو صاف رکھنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔
ہم اکیسویں صدی میں داخل ہو چکے ہیں اور خلاؤں کو بھی ہم نے مسخر کرلیا ہے۔ زمین اور فضا انسان کی دسترس میں ہے مگر ہندوستان میں آج بھی انسانوں کا ایک طبقہ دوسرے انسانوں کی غلاظت کو اپنے سر پر ڈھوتا ہے۔ اس سے زیادہ انسان کی تذلیل اور کیا ہوسکتی ہے۔ ابھی تک ہم نے اس تکلیف دہ صورتِ حال کو ختم کرنے کی مکمل منصوبہ بندی نہیں کی۔

رسول پاک ﷺ کے مدنی معاشرہ میں اس مشکل کا کہیں نام ونشان نہیں ملتا یا تو لوگ قضائے حاجت کے لیے جنگلات کا رخ کرتے یا اپنے گھروں میں ''کنائس'' یعنی بیت الخلا کا انتظام کرتے۔ مدینہ میں رفع حاجت کے لیے بالعموم لوگ جنگلوں میں جاتے تھے یہاں تک کہ عورتیں بھی گھروں سے باہر جاتیں، مگر رسول پاک نے، اس ضروری مسئلہ پر توجہ فرمائی، اول تو آپ نے ادھر ادھر رفع حاجت کرنے نیز سڑکوں اور سایہ دار پیڑوں کے نیچے رفع حاجت کرنے سے منع فرمایا، دوسرے یہ کہ آپ نے گھروں کے ساتھ بیت الخلا بنانے کا رجحان پیدا کیا، چناں چہ حضرت عائشہ واقعہ افک کا تذکرہ کرتے ہوئے ام مسطح کے ساتھ ایک شب باہر نکلنے کی بابت فرماتی ہیں!

''وذالک قبل ان نتخذ الكذف قريبا من بيوتنا وامرنا امر العرب الاول فی التنزه فی البریه'' [۵۰]

یہ اس وقت کی بات ہے جب ہمارے گھروں سے متصل بیت الخلا نہیں بنے تھے اور ہم اولین عربوں کی طرح باہر جاکر پاکی حاصل کرتے تھے۔

اس روایت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بعد میں مدینہ میں گھروں میں بیت الخلا بن گیے اور خواتین کو باہر جانے کی زحمت سے نجات ملی۔

Marfat.com

شہری منصوبہ بندی کا ایک ضروری حصہ مارکیٹ اور تجارتی مراکز کا قیام بھی ہے، مدینہ کی ریاست وجود میں آنے کے ساتھ ہی رسول پاک ﷺ نے اس بنیادی ضرورت کو محسوس فرمایا، کیوں کہ بڑی تعداد میں مسلمان ہجرت کر کے مدینہ میں آ کر آباد ہو گئے تھے جن کے پاس زمین جائداد نہیں تھی وہ تجارت پیشہ تھے اور ان کے معاشی استحکام کا ذریعہ تجارت ہی ہو سکتی تھی اور اس کے لیے بازار اور مارکیٹ کا فروغ شہری ریاست کی اہم ضرورت بن گئی تھی۔ معاشی مسائل میں توسیع آبادی کی ہمیشہ ضرورت بن جاتی ہے۔

رسول پاک ﷺ نے یہاں دو باتوں کی طرف توجہ فرمائی ایک طرف تو آپ نے زراعت اور ملازمت کے مقابلے میں تجارت کی حوصلہ افزائی فرمائی اور اسے فروغ دینے کی ضرورت واضح فرمائی۔ آپ نے ایماندار تاجر کو اجر کے لحاظ سے صدیقین، شہیدا اور انبیاء کے ہم رتبہ قرار دیا۔ ۱۵ جو لوگ تجارت کرتے تھے آپ نے ان کے لیے برکت کی دعائیں کیں اور بھیک مانگنے والون کی حوصلہ شکنی کی۔ نیز تجارت میں جھوٹ بولنے، دھوکہ دینے اور بد معاملگی کرنے پر پابندی لگائی۔

دوسری طرف آپ نے وسط مدینہ میں ایک مرکزی مارکیٹ بنوائی جسے سوق المدینہ کہا جاتا ہے۔ اس وقت مدینہ کی مشہور اور بڑی مارکیٹ قینقاع تھی جو یہودیوں کے علاقہ میں تھی، وہاں وہ گاہکوں کا استحصال بھی کرتے اور ان کی عورتوں کے ساتھ چھیڑ خانی اور بدتمیزی بھی کرتے، اسی وجہ سے وہ جلاوطن بھی کیے گئے۔ رسول پاک ﷺ نے اس کے مقابلے میں مدینہ کی مرکزی جگہ پر مسجد نبوی اور بقیع کے نزدیک ''سوق المدینہ'' مدینہ مارکیٹ بنوائی، اس زمانہ میں قینقاع کی مارکیٹ کے علاوہ چھوٹی اور بھی کئی مارکیٹ تھیں، مثلاً زبالہ مارکیٹ، جسر مارکیٹ، صفاجت مارکیٹ وغیرہ۔ مگر رسول پاک ﷺ نے سوق المدینہ کو سوپر مارکیٹ کی حیثیت دی جہاں ضرورت اور تجارت کی ساری چیزیں مہیا ہوں۔ جس وقت رسول

Marfat.com

پاک اس سوپر مارکیٹ کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔ اس وقت آپ نے قینقاع کے بازار کے ساتھ متعدد مقامات کا معائنہ فرمایا اور بالآخر مدینہ بازار کے محل وقوع کا تعین فرمایا۔

عطا بن یسار کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے لیے مارکیٹ بنانے کا ارادہ فرمایا تو پہلے قینقاع کے بازار تشریف لے گئے پھر سوق المدینہ کی جگہ آئے اور آپ نے پاؤں سے اشارہ فرمایا کہ یہ تمہاری مارکیٹ ہوگی۔[۵۲]

عباس بن سہیل اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ قبیلہ بنی ساعدہ تشریف لائے اور فرمایا میں تمہارے پاس ایک ضرورت سے رکا ہوں۔ تم لوگ اپنے قبرستان کی جگہ مجھے دیدو تاکہ میں وہاں مارکیٹ بناؤں۔ بعض لوگوں نے اپنے حصہ کی زمین دے دی اور بعض نے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ یہاں ہماری قبریں ہیں اور ہماری عورتوں کے نکلنے کی جگہ ہے، مگر بعد میں باہم گفت وشنید کر کے وہ جگہ حضور ﷺ کے حوالے کر دی گئی اور آپ نے وہاں مارکیٹ بنا دی۔[۵۳]

نبی ﷺ نے اس مارکیٹ کی مرکزیت، وسعت اور عوامیت کو برقرار رکھنے کے لیے فرمایا۔

هذا سوقكم فلا ينقص منه ولا يضربن عليه الخراج[۵۴]

یہ تمہارا بازار ہے نہ تو اس کو کم کرو اور نہ اس میں ٹیکس لگاؤ۔

اس حکم نامہ کی حکمت یہ تھی کہ اگر بازار کی جگہ تنگ ہوگی یا اس میں خرید و فروخت پر ٹیکس لگے گا تو بیوپاریوں کی کثرت نہ ہوگی لہذا ان دونوں باتوں سے گریز کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس مارکیٹ میں خرید وفروخت کرنے کی بڑی حوصلہ افزائی فرمائی آپ نے فرمایا!

"الجالب سوقنا كالمجاهد في سبيل الله وان المحتكر في سوقنا كالملحد في كتاب الله[۵۵]

ہمارے بازار میں سامان لانے والا مجاہد فی سبیل اللہ کے مانند ہے

Marfat.com

اور بازار میں سامان روکنے والا اللہ کی کتاب میں سرکشی کرنے والے کی مانند ہے۔

آپ نے مزید فرمایا: لایحتکر الاخاطی ۵۶ سامان روک کر رکھنے والا مجرم ہے۔

اسی طرح رسول پاک نے بازار میں سامان پہنچنے سے پہلے راستہ میں روک کر خریدنے پر پابندی لگا دی جسے حدیث کی اصطلاح میں ''تلقی بیوع'' کہا جاتا ہے۔ آپ نے مزید فرمایا: لا یبیع حاضر لبادٍ ۵۷ راستہ میں کوئی شہری دیہاتی سے خرید و فروخت نہ کرے۔ ان ساری منصوبہ بندیوں سے نتیجہ یہ نکلا کہ بہت جلد مدینہ تجارتی مرکز کی حیثیت اختیار کر گیا، دور دراز سے لوگ اس شہر میں تجارت کے لیے آنے لگے، اور مدینہ کے لوگ باہر تجارتی سامان لانے کے لیے جانے لگے، تحفظ اور ترقی کا احساس اگر تاجروں کو ہو جائے تو تجارتی مرکز فروغ پاتا ہے اور یہ احساس رسول پاک نے اچھی طرح پیدا کر دیا تھا۔

سوق المدینہ کی وسعت اور مرکزیت بعد میں بھی برقرار رہی۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں ایک لوہار نے اس مارکیٹ میں ایک بھٹی لگا لی تو حضرت عمر نے اسے منہدم کر دیا اور فرمایا کہ تم رسول اللہ ﷺ کی مارکیٹ کا دائرہ تنگ کر رہے ہو۔ ۵۸ حضور ﷺ کی منصوبہ بندی کو چودہ سو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے مگر مدینہ مارکیٹ کی مقبولیت میں کمی نہیں آئی ہے بلکہ دن بہ دن اضافہ ہوا ہے اور اس وقت اس کی حیثیت انٹرنیشنل مارکیٹ کی ہے، دنیا کے ہر خطے سے حاجی ہر سال لاکھوں کی تعداد میں وہاں پہنچتے ہیں اور مدینہ مارکیٹ میں خریداری کرنے کو سعادت کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ یہ اہمیت غالباً دنیا کی کسی مارکیٹ کو حاصل نہیں۔

شہری منصوبہ بندی میں پارک اور سیر گاہ کو آج غیر معمولی حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔ یہ ضرورت عہد نبوی میں بھی نظر آتی ہے، رسول پاک ﷺ نے اس مقصد کے لیے مدینہ شہر کے باہر وادی عقیق کو منتخب فرمایا تھا، وہاں آپ نے ایک سیر

Marfat.com

گاہ ''حمی النقیع '' کے نام سے بنوائی، جو گھوڑوں کی چراگاہ بھی تھی، وہاں پیڑ پودے اس کثرت سے لگوائے گئے کہ وہ خوبصورت تفریح گاہ بن گئی، باغات پانی اور شادابی کے سبب یہ جگہ سیر گاہ مدینہ کی کہلائی۔ رسول پاک وہاں آرام کے لیے تشریف لے جاتے آپ کو یہ جگہ بے حد پسند تھی۔ ۵۹

ایک مرتبہ رسول پاک ﷺ جب وادیٔ عقیق کی سیر سے لوٹے تو آپ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا میں وادیٔ عقیق سے آرہا ہوں کتنی موزوں جگہ ہے اور کتنا میٹھا اس کا پانی ہے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا پھر کیوں نہ ہم لوگ وہاں منتقل ہو جائیں؟ تو حضور نے فرمایا اب یہ کیسے ممکن ہے، لوگوں نے مدینہ میں گھر بنا لیے ہیں۔ ٦٠ صحابہ کرام میں جو اہل ثروت تھے وہ وہاں جا کر اپنے محلات تعمیر کر لیتے تھے یہ گویا ان کے لیے سمر ہاؤس تھے، اہل مدینہ کے لیے رسول پاک کی طرف سے یہ ایک خوبصورت عطیہ تھا۔

رسول پاک ﷺ نے مدینہ شہر کی منصوبہ بندی کرتے وقت صرف اس کی آبادکاری اور سہولیات کی فراہمی کا ہی خیال نہیں رکھا بلکہ شہر کی زینت و رونق اور خوبصورتی کو بھی پیش نظر رکھا، اسی وجہ سے یہاں کے قلعوں کو مسمار کرنے اور بلا ضرورت درختوں کو کاٹنے سے منع فرمایا چناں چہ محدث بیہقی فرماتے ہیں!

> ان النبی ﷺ انما اراد بقاء زینہ المدینة و بھجتھا لتتوطن کما منع من ھدم اطام المدینة لذالک قال ابوھریرةؓ نھی رسول اللہ ﷺ من ھدم اطام المدینة وقال انھا زینة المدینة. ٦١
>
> نبی ﷺ نے مدینہ کی زینت اور خوبصورتی کو پیش نظر رکھا تا کہ یہ شہریوں کے لیے اچھی سکونت کی جگہ ہے، اسی لیے آپ نے مدینہ کے قلعوں اور گڑھیوں کو مسمار کرنے سے منع فرمایا۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مدینہ کی قلعوں کو مسمار کرنے سے یہ کہہ

Marfat.com

کر منع فرمایا کہ وہ مدینہ کی زینت ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ سیرت رسول ﷺ کا اگر گہرائی سے مطالعہ کیجیے تو آپ کی شخصیت صرف ایک روحانی پیشوا، مذہبی رہنما اور معلم اخلاق ہی کی نظر نہیں آتی بلکہ ایک مفکر منتظم اور منصوبہ ساز کی بھی نظر آتی ہے، آخری رسول ہونے کے ناطے اللہ تعالیٰ نے دین و دنیا کی تعمیر کی ان گنت صلاحیتیں آپ میں ودیعت کی تھیں اور پھر اپنے فیضان خاص سے بذریعہ وحی آپ کی رہنمائی کی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ بیک وقت دین و دنیا دونوں لحاظ سے آپ کامیاب رہنما اور حکمراں ثابت ہوئے تھے۔ اور اس کی ایک مثال آبادکاری کے سلسلہ میں آپ کی وہ منصوبہ بندی ہے جس کی بعض جھلکیاں اوپر پیش کی گئی ہیں۔ کتب سیرت میں اس سلسلہ کی بہت سی جزئیات دستیاب ہیں جن سے مزید رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ سورہ بنی اسرائیل: ۸۰

۲۔ عبدالملک بن ہشام، سیرت النبی، دارالفکر، ج ۲، ص ۴۷

۳۔ ایضاً، ص ۴۲

۴۔ سید محمد لقمان اعظمی، عہد نبوی کا مدنی معاشرہ، مترجم محمد رضی الاسلام ندوی، لاہور، ۱۹۹۶ء، ص ۵۲

۵۔ سورۃ الاحزاب: ۱۳

۶۔ علامہ نورالدین سمہودی نے مدینہ کے ۹۴ ناموں کا تذکرہ کیا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ ان میں سے بیشتر اوصاف والقاب ہیں اور نام کی حیثیت سے غیر معروف ہیں، دیکھیے کتاب وفاء الوفاء باخبار دارالمصطفی، طبع مصر ۱۳۲۶ھ، جلد اول، ص ۱۹

۷۔ محمد حمیداللہ، عہد نبوی کے میدان جنگ، نئی دہلی ۲۰۰۱ء، ص ۵

۸۔ سورہ النساء: ۱۶۱

Marfat.com

۹۔ عمر فاروق، سید رجب، المدینة المنورة ، قاہرہ، ص۱۰

۱۰۔ کتاب وفاء الوفاء، ۱/۱۶۱

۱۱۔ ایضاً، ص۱۸۲

۱۲۔ احمد بن محمد القسطلانی، المواہب اللدنیة ، پور بندر، گجرات ۱۴۲۱ھ، ج۱، ص۳۲۰

۱۳۔ محمد حمید اللہ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، نئی دہلی ۱۹۹۶ء، ص۷۸

۱۴۔ ایضاً، ص۱۳۳

۱۵۔ عہد نبوی کے میدان جنگ، ص۲۲

۱۶۔ الصحیح لمسلم، فضل المدینة ودعاء النبی فیہا بالبرکة

۱۷۔ وفاء الوفاء، ج۱، ص۹۴

۱۸۔ الصحیح للبخاری، کتاب المغازی

۱۹۔ سورہ الانفال: ۷۲

۲۰۔ سنن ترمذی، ابواب المناقب

۲۱۔ اسماعیل بن کثیر، تفسیر القرآن، دار الخیر، ج ۲، ص۳۸۳

۲۲۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصید، باب اتباع الصید

۲۳۔ ابوعبید القاسم بن سلام، کتاب الاموال اردو ترجمہ، اسلام آباد ۱۹۸۶ء، ص۳۴

۲۴۔ عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص۲۷۲

۲۵۔ الصحیح للبخاری، کتاب فضائل المدینة، نیز دیکھیے سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب فی دعاء المشرکین،

۲۶۔ الصحیح للبخاری، کتاب الاحکام

۲۷۔ سنن ترمذی، باب فی بول ما یوکل لحمہ ۲۸۔ بیہقی، فی شعب الایمان

۲۹۔ الصحیح للبخاری، فضائل المدینة ۳۰۔ وفاء الوفاء، ج۱، ص۳۵

۳۱۔ ایضاً ۳۲۔ سورہ الحشر: ۶۔۱

۳۳۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب فی الہجرة

Marfat.com

۳۴۔ عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص۲۷۳

۳۵۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب ماجاء فی الہجرۃ وسکنی البدو

۳۶۔ عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی، ص۲۷۳

۳۷۔ کتاب الاموال، ص۳۲۸ ۳۸۔ وفاء الوفاء، ج۱، ص۸۴

۳۹۔ پروفیسر مارسے نے فرنچ اکیڈمی میں ''اسلام اور شہری زندگی'' پر افتتاحی خطبہ دیا تھا۔ اس کا اردو ترجمہ روزنامہ رہبر دکن حیدرآباد ۱۹ تا ۲۲ رجب ۱۲۵۵ھ میں شائع ہوا، مولانا سلطان احمد اصلاحی نے بھی ''شہریت پسندی کا رجحان اور اسلام'' میں اس مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے۔ دیکھیے تحقیقات اسلامی علی گڑھ اپریل تا جون ۱۹۹۷ء

۴۰۔ سیرت النبی، ج ۲، ص۱۱۶

۴۱۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، خطبات بھاول پور، نئی دہلی ۱۹۹۷ء، ص۳۱۴

۴۲۔ الصحیح للبخاری، باب الخیمہ للمرضیٰ فی المسجد

۴۳۔ وفاء الوفاء، ج۱، ص۵۲۵

۴۴۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، بیروت، ج۱، ص۳۴۶

۴۵۔ مسند احمد ابن حنبل، ج ۳، ص۴۰۷

۴۶۔ وفاء الوفاء، ج۱، ص۵۲۷ ۴۷۔ المواہب اللدنیہ، ج۱، ص۳۱۱

۴۸۔ وفاء الوفاء، ج۱، ص۵۲۷ ۴۹۔ خطبات بھاول پور، ص۲۴۴

۵۰۔ تفسیر ابن کثیر، ج ۳، ص۲۹۶ ۵۱۔ سنن ترمذی، ابواب البیوع

۵۲۔ وفاء الوفاء، ج۱، ص۵۳۹ ۵۳۔ ایضاً، ص۵۴۰

۵۴۔ ایضاً ۵۵۔ ایضاً، ص۵۴۶

۵۶۔ سنن ترمذی، ابواب البیوع ۵۷۔ ایضاً

۵۸۔ وفاء الوفاء، ج۱، ص۵۴۱ ۵۹۔ ایضاً، ج۲، ص۱۸۷

۶۰۔ ایضاً ۶۱۔ ایضاً، ج۱، ص۷۷

Marfat.com

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور امن عالم

Marfat.com

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت دنیائے انسانیت بالعموم اور جزیرہ نمائے عرب بالخصوص فتنہ وفساد اور بدامنی وانتشار کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ کہیں دولت واقتدار کی جنگ تھی، تو کہیں خاندانی ونسلی برتری کا تصادم، کہیں خواہشات کی تکمیل کے جھگڑے تھے تو کہیں جھوٹی انا کے معرکے۔ ایران وروم اس عہد کی دو بڑی طاقت تھے۔ ان کی باہمی جنگیں محض اپنے حدود واختیارات کی توسیع اور ایک دوسرے کو زیر نگیں بنانے کی ہوس پر مبنی تھیں۔ قرآن کریم میں اس جنگ کی طرف واضح اشارہ موجود ہے۔ الم غُلِبَتِ الرُّومُ فِيْ أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُم مِّن بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ [۱]

ہندوستان میں جو طبقاتی کشمکش برہمن، ویش چھتری اور شودر ذاتوں کے درمیان برپا تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ انسانی حقوق اور عزت وشرف سے بعض طبقات محروم رکھے گئے تھے جبکہ بعض دوسرے لوگ اس کے اجارہ دار بن گئے تھے۔ یورپ اور ایشیا کے ممالک میں سر برآوردہ لوگوں اور مملکت کے سربراہوں کا طبقہ دوسرے طبقات کو اپنی خدمت وراحت کا آلہ کار بنائے ہوئے تھا۔ جزیرہ نمائے عرب میں قبائلی منافرت اور خاندانی جنگیں پشتہا پشت تک لڑی جاتی تھیں۔ انتقام در انتقام کا سلسلہ کسی حد پر رکنے کا نام نہ لیتا تھا۔ بدامنی کا ماحول اس قدر تھا کہ نہ کسی کی جان کو تحفظ حاصل تھا اور نہ کسی کی عزت وآبرو محفوظ تھی۔ نہ سفر بے خطر تھا اور نہ گھر پرامن تھا۔ ان حالات میں توراۃ وانجیل کی خدائی تعلیمات یقیناً موجود تھیں۔ مگر ان کے حاملین ومتبعین نے ان کو اس حد تک غبار آلود کر دیا تھا کہ ان کی روشنی میں امن وامان اور سکون وسلامتی کی راہ دکھائی دینا تو درکنار خود ان کتابوں اور ان کے لانے والے انبیاء کی تعلیم اور سیرت کا پہچاننا مشکل ہو گیا تھا۔ دنیا جانتی ہے کہ چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی ظلم وجاہلیت، فتنہ وفساد اور اضطراب وانتشار میں گھری ہوئی تھیں اور

Marfat.com

اسی لیے مورخین اسے عہد تاریک قرار دیتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اسلامی دعوت جب مکہ مکرمہ میں عام ہوئی تو گو کہ اس کا مرکزی نکتہ اللہ کی عبادت اور طاغوت سے اجتناب تھا۔ تاہم اس کے پہلوں میں سماجی وسیاسی اور عالمی مسائل ومشکلات کے حل موجود تھے اور امن عالم کا پیغام تھا۔ کیوں کہ توحید کے اندر وحدت انسانیت کا راز پوشیدہ تھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کی توسیع واستحکام میں عالمی امن کی ضمانت تھی۔ چنانچہ اسلام کا حلقہ اثر جیسے جیسے بڑھتا گیا بدامنی، فساد اور جنگ وجدال کے اثرات محدود ومختصر ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ اسلام اور مسلمانوں کے اوپر ظلمت پسند کافروں نے جتنی جنگیں مسلط کیں ان سب میں وہ خود ہی پسپا ہوئے اور جنگ امن پسند مسلمانوں کے حوصلے بلند کرتی چلی گئی۔ ان جنگوں میں بجاطور پر مسلمانوں کو یہ ہدایت دی گئی تھی کہ وہ حملہ آوروں کا دل جمعی کے ساتھ مقابلہ کریں، ان کی کثرت تعداد کو دیکھ کر گھبرائیں نہیں اور شکست خوردگی کا احساس لے کر صلح کی درخواست نہ کریں۔ کیوں کہ یہ براہ راست ہزیمت کی ایک شکل ہوگی اور کفر وشرک اور ظلم وتشدد کے حاملین کے حوصلے بلند کرے گی۔ ارشاد ہوا:

فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ ۔[۲]

"تم ہمت نہ ہارو اور دشمنوں کو صلح کی دعوت نہ دو اور تم تو غالب ہو۔"

مگر اسی کے ساتھ یہ حکم بھی دیا گیا تھا کہ اگر مشرکین خود ہی جنگ کا ارادہ ترک کردیں اور صلح کی درخواست کریں تو ان کی درخواست قبول کرلو، اپنی طاقت کا مظاہرہ نہ کرو اور نہ اس بات کی پرواہ کرو کہ یہ صلح کر کے پھر مکر جائیں گے اور نئی طاقت کے ساتھ جنگ کریں گے بلکہ صلح کرو اور معاملہ اللہ پر چھوڑ دو۔ اللہ کا حکم ہے:

وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۔[۳]

"اور اگر یہ لوگ صلح کی طرف مائل ہوئے تو تم بھی اس کی طرف مائل ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔"

Marfat.com

فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا۔ ۲۹

"پھر اگر وہ تم سے جنگ کرنے سے کنارہ کشی کریں اور لڑیں نہیں اور تمہاری طرف پیغام صلح بھیجیں تو اللہ نے تمہارے لیے ان پر زبردستی کرنے کی کوئی سبیل مقرر نہیں کی ہے۔"

یہ احکام اس لیے دیے گئے تاکہ بدامنی اور جنگ وجدال کا ماحول ختم ہو اور امن وامان قائم ہو سکے۔ اور اسلام تو امن کا ہی داعی اور نقیب ہے۔ قیام امن کے لیے اگر مفسد طاقتوں کا مقابلہ کرنا ناگزیر ہو جائے اور طاقت کے استعمال کے بغیر کوئی چارہ نظر نہ آئے تو جنگ سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ لیکن اگر جنگ کے بغیر امن قائم ہو سکتا ہے تو جنگ چھیڑنا نہیں چاہیے کیوں کہ رسول اکرم ﷺ کا مشن پر امن خدا پرستی کا ماحول قائم کرنا ہے اور انسان کو انسانوں کی زیادتی سے نجات دلانا ہے۔ عہد نبوی میں جتنی جنگیں لڑی گئیں وہ انتہائی مجبوری اور ناگریز حالات میں لڑی گئیں۔ نیز ان کے پھیلاؤ کو روکا گیا اور انسانی جان و مال کو کم سے کم نقصان پہونچایا گیا۔ اگر نبی اکرم ﷺ کی زیر قیادت لڑی جانے والی تمام جنگوں کے مقتولین کے اعداد و شمار کو جمع کیا جائے اور دنیا کی دوسری تاریخی جنگوں کے اعداد و شمار سے ان کا موازنہ کیا جائے تو یہ حیرت ناک انکشاف ہوگا کہ دنیا کی کسی تاریخی جنگ میں اس سے کم جانی و مالی نقصان نہیں ہوا۔

پہلی جنگ عظیم ۱۸-۱۹۱۴ء میں تقریباً پچاسی لاکھ انسان مارے گئے جن میں صرف روس کے ۱۷ لاکھ انسان تھے۔ دوسری جنگ عظیم ۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۵ء میں تقریباً ۵ کروڑ انسانوں کا قتل ہوا اور ان کا حاصل کچھ بھی نہ تھا۔ جب کہ عہدِ نبویؐ کی تمام جنگوں کے مقتولین و شہداء کی تعداد صرف ایک ہزار سے کچھ زیادہ ہوگی۔

یہ حیرت کی بات ہے کہ تمام سرزمین عرب پیغمبر اسلام کے ماتحت آ گئی، اسلام کا بول بالا ہو گیا اور جانی نقصان اس قدر کم ہوا؟ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ نبی

Marfat.com

اکرم ﷺ کا حکم تھا کہ بچوں، مزدوروں، عورتوں پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے۔۵ میدان چھوڑ کر بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے، زراعت اور مویشی کو برباد نہ کیا جائے۔

ایک غزوہ میں لشکر اسلام کے بعض مجاہدین نے دشمن قبیلہ کی چند بکریاں لوٹ لیں اور ان کو ذبح کر کے ہانڈیاں چڑھا دیں۔ نبی اکرم کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ نے تمام ہانڈیاں الٹ دیں، گوشت کو مٹی میں ملا دیا اور فرمایا کہ لوٹ کا مال مردار سے زیادہ حلال نہیں۔۶

غور کیجیے کہ آج دنیا میں حملہ آور فوجیں دشمن کی املاک ہی پر ہاتھ صاف نہیں کرتیں بلکہ ان کی خواتین کی آبروریزی تک کو اپنا حق سمجھتی ہیں۔ بوسنیا ہرزے گووینا میں سرب عیسائی فوجوں نے پچاس ہزار مسلم خواتین کی آبروریزی کی۔ رسول پاک ﷺ کا مذکورہ فرمان واضح کرتا ہے کہ لٹیرے امن قائم نہیں کر سکتے۔ اس لیے اسلامی فوج کو لوٹ مار سے دور رہنا چاہیے۔

سچ پوچھیے تو اخلاق جنگ کا درس پہلی مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے دنیا کو دیا۔ اسلام سے پہلے اور بعد میں بھی مشرک اور کافر حکمراں کا طریقہ یہ رہا ہے کہ وہ جنگ کے نام پر ہر قسم کے ظلم اور فساد کو جائز سمجھتے رہے ہیں۔ جیسا کہ قرآن میں ہے:

وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ۔۷

''اور جب اسے اقتدار حاصل ہوتا ہے تو زمین میں دوڑ دھوپ کرتا ہے تا کہ اس میں فساد پھیلائے اور کھیتی اور نسل کو غارت کرے اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا''

خود نبی اکرم ﷺ کے مزاج مبارک میں عفو و درگذر، نرمی صلح جوئی اور امن و سلامتی، آشتی، اخوت بے پناہ تھی۔ قرآن اس کا اعتراف ان لفظوں میں کرتا ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ۔ ۸

Marfat.com

"(اے محمدؐ) اللہ کی مہربانی سے تمہاری افتاد مزاجی ان لوگوں کیلئے نرم واقع ہوئی ہے اور اگر تم بدخو اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے، ان کو معاف کردو اور ان کے لئے خدا سے مغفرت مانگو۔"

منصب نبوت اور رحمت عالم کی نازک ترین ذمہ داری نے اس مزاج کو مزید مجلّی و مصفّٰی کر دیا تھا۔ آپؐ نے کبھی یہ تاثر نہیں دیا کہ آپ امن وسلامتی کی جگہ جنگ و تصادم پر یقین رکھتے ہیں بلکہ ہمیشہ امن وسلامتی کی تلقین کی۔ منصب نبوت پر سرفراز ہونے سے پہلے کے واقعات بھی اس پر شاہد ہیں۔ چنانچہ یمن کا ایک تاجر ایک مرتبہ مکہ میں کپڑے بیچنے آتا ہے، مکہ کے کچھ لوگ اس سے کپڑے تو لے لیتے ہیں مگر قیمت نہیں ادا کرتے۔ تاجر اپنے کپڑے کا دام وصول کرنے کے لیے دردر کی خاک چھانتا ہے اور ناکام و نامراد رہتا ہے۔ اس پر ظلم کرنے والے مکہ کے سربرآوردہ لوگ ہیں اس لیے کوئی اس کا حق نہیں دلاتا۔ اس ظلم و زیادتی کو کچھ حساس لوگ محسوس کرتے ہیں اور عبداللہ بن جدعان کے گھر پر دعوت کے بہانے جمع ہوتے ہیں اور اس بات کا عہد کرتے اور قسم کھاتے ہیں کہ آئندہ ہم اپنی بستی کے یا باہر سے آنے والے کسی تاجر کے ساتھ ظلم نہیں ہونے دیں گے اور ان لوگوں کا محاسبہ کریں گے جو اس قسم کی حرکتوں کو ارتکاب کرتے ہیں۔ محمد عربی اس مجلس میں دل و جان سے شریک اور موجود ہیں۔ منصب نبوت پر سرفراز ہونے کے بعد اس واقعہ کا مسرت اور جوش کے ساتھ تذکرہ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر آج بھی مجھے اس جیسے معاملہ کیے لیے بلایا جائے تو میں اس میں شرکت کو سرخ اونٹ پر ترجیح دوں گا۔

لقد شهدت فی دا رعبدالله بن جدعان حلفا ما احب ان
لی به حمر النعم لو ادعیٰ به فی الاسلام لا جبت۔۹

"میں عبداللہ بن جدعان کے مکان پر حلف الفضول میں شریک ہوا ہوں، اگر اسلام میں بھی مجھے ایسے معاہدہ کے لیے بلایا جائے تو میں

Marfat.com

اسے سرخ اونٹ پر ترجیح دوں گا۔ یہ معاہدہ تاریخ میں حلف الفضول کے نام سے معروف ہے۔"

یہ مشہور واقعہ یہ ہے کہ سیلاب کی وجہ سے ایک بار خانۂ کعبہ کی دیواروں میں شگاف پڑ گیا، اصحاب الرائے اس نتیجہ پر پہونچے کہ دیواروں کو منہدم کر کے ان کی ازسرِ نو تعمیر کی جائے۔ کام شروع ہوگیا، جب دیوار اتنی اوپر اٹھی کہ اب اس میں روایتی حجر اسود کو نصب کر دیا جائے تو سارے قبائل حجر اسود کو نصب کرنے کا شرف حاصل کرنے کے لیے لڑ پڑے۔ نوبت یہاں تک پہونچی کہ تلواریں نیام سے باہر آ گئیں اور لوگ مرنے مارنے پر تل گئے۔ اسی اثنا میں یہ رائے آئی کہ آج یہ معاملہ رہنے دیا جائے، کل صبح جو شخص حدود کعبہ میں نظر آئے گا اسی کو فیصلہ کن مان لیا جائے گا اور لوگ اس بات پر متفق ہو گئے۔ اگلے دن صبح سویرے جب لوگ وہاں پہونچے تو محمد عربی ﷺ کو وہاں پایا اور انہوں نے جو فیصلہ کیا وہ آب زر سے لکھنے کے لائق ہے۔ محمد عربی ﷺ نے ایک چادر منگوائی اور حجر اسود کو اس چادر میں رکھ دیا اور ہر قبیلہ کے سرداروں سے کہا کہ وہ چادر کا ایک ایک کونہ تھام لیں، چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا پھر آپ نے حجر اسود کو اسی مقام پر رکھ دیا اس طرح ہر قبیلہ نے حجر اسود کو نصب کرنے کا شرف حاصل کرلیا، ہر شخص مطمئن ہوگیا اور ایک خوں ریز تصادم ٹل گیا۔

یہی محمد عربی کا مقام اور مزاج تھا اور یہی آپ کا پیغام تھا۔[۱۰]

طلوعِ نبوت کے بعد کفار و مشرکین نے امن و سلامتی پر مبنی اسلامی دعوت کو اپنے مشرکانہ مذہب، ظالمانہ سماج اور مفسدانہ نظام زندگی کے خلاف ایک چیلنج سمجھا اور اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے۔ پیغمبر اسلام محمد عربی ﷺ کو خوب ستایا، ان کے قتل کا منصوبہ بنایا، ان کے ساتھیوں کو زدوکوب کیا اور ہر طرف دہشت گردی کا ماحول برپا کر دیا۔ جہاں کوئی شخص کفر سے توبہ کر کے کلمۂ حق کا اظہار کرتا تو دشنام طرازیوں اور ایذا رسانیوں کے خارداروں میں دھکیل دیا جاتا، تشدد کا ایک ایسا ماحول بنا دیا گیا تھا کہ اسے سن کر دل دہل جاتا ہے۔

Marfat.com

حضرت عدی بن حاتم روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔ ایک شخص آیا اور بھوک کی شکایت کی، ایک دوسرا شخص آیا اور اس نے بھی راستہ میں بدامنی کی شکایت کی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عدی سے پوچھا تم نے حیرہ (عراق کا شہر) دیکھا ہے؟ حضرت عدی نے جواب دیا کہ دیکھا تو نہیں ہے اس کے بارے میں سنا ضرور ہے، تب رسول پاک ﷺ نے فرمایا، اگر تمہیں لمبی عمر ملی تو تم دیکھو گے کہ ہودج نشین عورت حیرہ سے تنہا سفر کرے گی اور خانہ کعبہ کا طواف کرے گی اور وہ اللہ کے علاوہ کسی اور سے نہ ڈرے گی۔ حضرت عدی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس دن قبیلہ طے کے وہ راہ زن کہاں چلے جائیں گے جنہوں نے شہر میں فتنہ وفساد برپا کر رکھا ہے؟ حضرت عدی کہتے ہیں کہ میں نے وہ زمانہ اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ہودج نشین عورت حیرہ سے سفر کر کے آتی ہے اور خانہ کعبہ کا طواف کرتی ہے اور اسے اللہ کے علاوہ کسی کا خوف نہیں ہوتا۔[11]

ایسے زمانہ میں جب کہ آدمی اپنے گھر میں ڈاکہ زنی کے خوف سے لرزہ براندام رہتا ہو اور تنہا سفر کرنے کو ہلاکت کا ذریعہ سمجھتا ہو، نبی اکرم کی یہ پیشین گوئی عجیب وغریب معلوم ہوئی۔ لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ صرف تیس سالوں میں یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی اور خود بنی حاتم کے راہزن اندھیری رات کے نہتے مسافروں اور مال وثروت سے لدے پھدے تاجروں کے لیے راہنما بن گئے اور ان کی خدمت انجام دینے لگے۔ دل بدلے تو مفسدانہ خیالات بدل گئے اور خیالات بدلے تو حالات بھی بدل گئے۔

سوال یہ ہے کہ یہ سب کیسے ہوا، اس کے لیے کیا طریقہ کار اپنایا گیا اور کس طرح کے اقدامات کیے گئے؟ ان سوالوں کا جواب سیرت وتاریخ اور قرآن و حدیث میں تفصیل سے ملتا ہے۔ محمد ﷺ نے دنیا کو امن وسلامتی عطا کرنے کے لیے نظری اور عملی دونوں طرح کے اقدامات کیے۔ بدامنی کے اسباب پر نظر ڈالی اور ان کا سدباب کیا، اس کی جگہ امن وسلامتی کے اصول رائج کیے، بدامنی کے مظاہر کو

Marfat.com

ختم کیا اور امن و آشتی کے احکام مقرر فرمائے۔ دلوں میں خدا کا خوف بٹھایا اور سماج میں خدا کا قانون نافذ کیا۔ نبی اکرم ﷺ نے بدامنی کے بعض اہم اسباب کی نشان دہی فرمائی اور ان کا مؤثر علاج تجویز کیا۔ ان میں سے چند یہ ہیں۔

اقتدار کی ہوس

دنیا کی بڑی بڑی جنگیں اس بات پر برپا ہوتی ہیں کہ اقتدار کس کا ہو، حکومت کون کرے اور اختیارات کسے حاصل ہوں؟ قوموں کی لڑائیوں اور ملکوں کی تباہ کاریوں میں اس سے بڑا محرک کوئی دوسرا نہیں ہوتا۔ ایتھنز و کریٹ کو برسوں تک برسرِ پیکار رکھنے والا عامل یہی تھا۔ روم و ایران کو سالہا سال تک میدان کارزار میں کھڑا رکھنے والا محرک یہی تھا۔ خود عرب کے قبیلہ جرہم اور بنی عدنان اسی لئے باہم دست گریباں تھے، اوس و خزرج کی لڑائیوں کے پس پردہ یہی جذبہ کارفرما تھا، دارا و سکندر کی تلواروں کو اسی جذبہ ملک گیری نے خون آلود بنائے رکھا اور اسی جذبہ نے امیہ بن خلف اور سرداران قریش کو اسلام اور پیغمبر اسلام کی مخالفت پر کمربستہ کیا اور انہوں نے اسلام دشمنی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

نبی اکرم ﷺ کی تعلیم نے اس محرک کی جڑ کاٹ کر رکھ دی۔ آپ نے سمجھایا کہ کوئی انسان کسی دوسرے انسان پر حاکمیت و اقتدار کا حق نہیں رکھتا، حکومت اور اقتدار صرف اللہ کا حق ہے، قرآن نے اعلان کیا:

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ۔[12]

"اللہ کے علاوہ کسی کی حکومت نہیں ہے، اس نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے۔"

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُن لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُن لَّهُ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا۔[13]

"اور کہو کہ سب تعریف اللہ ہی کی ہے جس نے نہ تو کسی کو بیٹا بنایا

Marfat.com

ہے اور نہ اس کی بادشاہی میں کوئی شریک ہے اور نہ اس وجہ سے کہ وہ عاجز و ناتواں ہے کوئی اس کا مددگار ہے اور اس کو بڑا جان کر اس کی بڑائی کرتے رہو۔"

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ۔۱۴

"دیکھو سب مخلوق اسی کی ہے اور حکم بھی اسی کا ہے۔ یہ خدائے رب العلمین بڑی برکت والا ہے۔"

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَرَبِّ الْأَرْضِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔۱۵

"پس اللہ ہی کے لیے ہر طرح کی تعریف ہے جو آسمانوں کا مالک ہے اور زمین کا مالک ہے اور تمام جہاں کا پروردگار ہے اور آسمانوں اور زمینوں میں اسی کے لیے بڑائی ہے اور وہ غالب اور دانا ہے؟"

بنی نوع انسان بلا استثنا سب کے سب اللہ کے بندے اور غلام ہیں، محکوم اور محتاج ہیں۔ علم و تقوی، عدل و اطاعت کی بنیاد پر وہ خلیفہ ہو سکتے ہیں، مگر یہ ان کی غیر مشروط حاکمیت نہ ہوگی بلکہ خدا کی امانت ہوگی، اس کے احکام کے اندر ہوگی، وہ مطلق العنان نہ ہوں گے بلکہ خدا اور انسان دونوں کے سامنے جواب دہ ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَا آتَاكُمْ إِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔۱۶

"اور وہی تو ہے جس نے زمین پر تم کو اپنا نائب بنایا اور ایک کے دوسرے پر درجے بلند کیے تا کہ جو کچھ اس نے تمہیں بخشا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے۔ بے شک تمہارا پروردگار جلد عذاب

Marfat.com

دینے والا ہے اور بے شک وہ بخشنے والا اور مہربان بھی ہے۔"

چونکہ حکومت کسی انسان کا پیدائشی حق نہیں، بلکہ خدا کی امانت ہے اس لیے نبی اکرم ﷺ نے یہ اعلان فرمایا کہ جو شخص حکومت کی تمنا اور خواہش کرتا ہے اسے ہرگز اقتدار نہ سونپا جائے، کیوں کہ اقتدار اور امارت کی خواہش اسے اس منصب کے لئے نااہل بنا دیتی ہے۔[۱۷]

جب لوگوں کی نمائندگی کا حق کسی شخص کو مل جائے اور وہ منصب خلافت پر متمکن ہو جائے تو جب تک وہ اللہ اور اس کے رسول کا وفادار ہے اس کی اطاعت اسی طرح واجب ہے جس طرح اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت واجب ہے۔

قرآن کہتا ہے:

أَطِيعُواْ اللَّهَ وَأَطِيعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِي الْأَمْرِ مِنكُمْ۔[۱۸]

"اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اولوالامر کی اطاعت کرو۔"

اور جب وہ خدا اور اس کے رسول کا باغی ہو جائے اور مخلوق کو خالق کی مرضی کے خلاف چلانے لگے تو اس کی اطاعت نہ کی جائے بلکہ اسے منصب امارت سے اتارا جائے۔

فاذا امر بمعصیۃ فلا سمع ولا طاعۃ۔[۱۹]

"جب حکمراں گناہ کا حکم دے تو نہ اس کی بات سنی جائے اور نہ اطاعت کی جائے۔"

حکمرانوں کو عوام کا صرف ذمہ دار ہی نہیں بنایا گیا بلکہ ان کو جواب دہ بھی قرار دیا گیا۔ ذمہ داری اپنے ساتھ جواب دہی بھی لاتی ہے۔

رسول پاک نے فرمایا:

الامام الذی علی الناس راع وھو مسئول عن رعیتہ۔[۲۰]

"وہ امام جو لوگوں کا نگراں ہے اپنی رعایا کے بارے میں جواب دہ ہوگا۔"

Marfat.com

خاندانی اور نسلی غرور

امن و امان اور سکون و سلامتی کو ختم کرنے والا دوسرا عامل خاندانی برتری اور غرور ہے۔ یعنی یہ تصور کہ پیدائشی طور پر کچھ لوگ اعلیٰ و ارفع ہیں اور دوسرے لوگ ادنیٰ و کمتر ہیں دنیا کو فساد میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اسی تصور نے ہندستان کے برہمن اور شودر میں تفریق و امتیازی کی آہنی دیوار کھڑی کر دی، اسی تصور نے یہودیوں کو نبی عربی ﷺ کی دعوت مبارکہ قبول کرنے سے روکا اور یہی نظریہ مصر اور ایران کے حکمرانوں کو عوام کا استحصال جاری رکھنے میں معاون بنا، جرمنی میں اسی نسلی غرور نے انسانوں کی بڑی تعداد کو جنگ میں جھونک دیا۔ جنوبی افریقہ کے سیاہ فام باشندوں کو عرصہ دراز تک اسی نسلی جارحیت کا سامنا کرنا پڑا۔ سری لنکا میں آج بھی تمل اور سنہالی نسلی خوں ریزی ملک گیر پیمانہ پر جاری ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اس تصور کی بنیاد منہدم کر دی اور اللہ کا یہ پیغام سنایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ۔[۲۱]

"لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور برادریاں بنائیں تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو اور خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔"

نبی اکرم ﷺ نے آبا و اجداد اور خاندان کی مفاخرت کو حرام قرار دیا اور اسے جاہلیت سے تعبیر فرمایا۔ آپ نے فتح مکہ کے موقع پر خطبہ میں اعلان فرمایا:

ان اللہ قد اذھب عنکم عبیۃ الجاھلیۃ و تعظمھا بآبائھا۔[۲۲]

"لوگو! اللہ نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور آبا و اجداد کے نام پر بڑا پن ختم کر دیا ہے۔"

اگر رنگ و نسل اور علاقہ و وطن کی عصبیت ختم ہو جائے تو انسان آفاقی اور

Marfat.com

بین الاقوامی برادری کا ممبر بن کر عالمی امن کا علم بردار بن سکتا ہے اور اگر وہ ان بتوں کا پجاری بن جائے تو کبھی امن عالم کا خواب نہیں دیکھ سکتا۔ خاندانی، لسانی اور وطنی عصبیت کی کوکھ سے منافرت جنم لیتی ہے اور منافرت امن عالم کو درہم برہم کر دیتی ہے۔

انتقام در انتقام

امن عالم کو درہم برہم کرنے والا تیسرا عامل برائی کے بدلہ برائی یا انتقام در انتقام کا رویہ ہے۔ عرب اس کے اس طرح خوگر ہو چکے تھے کہ وہ ایک قتل کے نتیجہ میں پشتہا پشت تک لڑتے رہتے تھے اور کہیں یہ سلسلہ ختم ہو کے نہ دیتا تھا۔ عرب شعراء فخریہ کہتے تھے:

الالایجھلن احد علینا فنجھل فوق جھل الجاھلینا

خبردار کوئی ہم سے جہالت نہ برتے، ورنہ ہم سارے جاہلوں سے بڑھ کر جہالت کا مظاہرہ کریں گے۔

آج بھی جذبۂ انتقام افراد، جماعتوں اور گروہوں کو جن خطرناک جنگوں میں جھونک دیتا ہے اس سے سبھی واقف ہیں۔ اینٹ کا جواب پتھر سے دینے میں ہر انسان اپنی انا کی تسکین محسوس کرتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اگرچہ بنیادی طور پر انتقام کا حق عدل وقصاص کی حدود میں رہتے ہوئے لوگوں کو دیا ہے مگر عفو و درگزر اور برائی کا بدلہ بھلائی سے دینے کے اصول کو اتنے عموم اور تواتر کے ساتھ پھیلایا کہ انتقام در انتقام کا انسانیت کش سلسلہ بالآخر ختم ہو گیا۔ آپ نے لوگوں کو اللہ کا یہ حکم پہونچایا:

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِی هِیَ اَحْسَنُ
فَاِذَ الَّذِی بَيْنَکَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهُ وَلِیٌّ حَمِيْمٌ۔[۲۳]

''بھلائی اور برائی برابر نہیں ہو سکتی تو برائی کا ایسے طریقہ سے جواب دو جو بہت اچھا ہو، ایسا کرنے سے تم دیکھو گے کہ جس میں اور تم

میں دشمنی تھی گویا وہ تمہارا گرم جوش دوست ہے۔"

قرآن نے کامیاب انسانوں کی ایک خوبی یہ قرار دی:

وَيَدْرَؤُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ أُولَئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ۔[۲۴]

"(جو لوگ) نیکی سے برائی کو دور کرتے ہیں یہی لوگ ہیں جن کے لیے عاقبت کا گھر ہے۔"

اسی بات کو ایک عارف نے اس طرح کہا ہے:

"اگر کسی نے تمہاری راہ میں کانٹے بچھا دیے تو تم اسے اٹھا کر پھینک دو، لیکن اگر تم نے جواب میں اس کی راہ میں بھی کانٹے بچھائے تو پوری دنیا کانٹوں سے بھر جائے گی"۔

ظلم وتشدد

امن وامان کو برباد کرنے والا چوتھا عامل ظلم وتعدی ہے۔

ظلم خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی، قومی ہو یا ملکی، ظلم بہرحال ظلم ہے، انسانی قدروں کے منافی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ظلم کے مٹانے کو جزو ایمان قرار دیا ہے۔ آپ نے ظلم کرنے اور ظلم برداشت کرنے دونوں کو مذموم قرار دیا۔ آپ اللہ سے یہ دعا مانگا کرتے:

اللهم انی اعوذبک من ان نظلم او نظلم او نجهل او یجهل۔[۲۵]

"اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں ظلم کرنے اور ظلم کیے جانے سے جہالت کرنے اور جہالت کیے جانے سے۔"

آپ نے ہدایت فرمائی کہ سماج کے ہر فرد اور گروہ کی ظلم وزیادتی سے حفاظت کی جائے۔ کسی کی حق تلفی نہ کی جائے، اور نہ کسی کو انصاف سے محروم رکھا جائے۔ انصاف سے محرومی کا احساس تشدد کا راستہ کھولتا ہے اور معاشرہ فتنہ وفساد کا شکار ہو جاتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے قتل وغارت گری کو کفر سے تعبیر فرمایا،

Marfat.com

حجۃ الوداع کے خطبہ میں آپ نے یہ تلقین فرمائی:

لا ترجعوا بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض۔[۲۶]

''میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگنا۔''

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ظالم اور مظلوم دونوں کی مدد کرو، اصحابؓ نے پوچھا کہ مظلوم کی مدد تو سمجھ میں آتی ہے مگر ظالم کی مدد کے کیا معنی؟ آپ نے فرمایا کہ اسے ظلم سے روک دو یہی اس کی مدد ہے۔ ظالموں کو اللہ تعالی نے جہنم کا ایندھن قرار دیا:

اَمَّا الْقَاسِطُوْنَ فَکَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَباً ۔[۲۸]

''ظالم لوگ جہنم کا ایندھن ہوں گے۔''

مظلوم کی دادرسی کو تقاضائے دین و ایمان قرار دیا، خدا اور آخرت کا خوف دلا کر لوگوں کو معتدل اور متوازن زندگی گذارنے پر آمادہ کیا۔ نبی اکرم ﷺ نے برائی اور زیادتی کے کاموں میں تعاون کرنے پر پابندی عائد کی کیوں کہ یہ بھی شر و فساد اور امن عامہ کی بربادی کا ذریعہ ہے۔ آپ نے یہ تعلیم دی کہ تعاون صرف نیکی اور خدا ترسی کے کاموں میں ہی کی جاسکتی ہے برائی اور زور دستی کے کاموں میں نہیں کی جاسکتی، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۔[۲۹]

اکثر امنِ عامہ کی خرابی اس بات سے جڑی ہوتی ہے کہ شر پسند اور فتنہ جو عناصر معاشرہ میں اپنے حامی اور طرف دار پالیتے ہیں۔ اگر نیکی میں تعاون اور بدامنی میں عدم تعاون کا شعور عام ہو جائے تو معاشرہ سے فتنہ وفساد اور بدامنی بہت محدود اور مختصر ہو جائے گی۔

نبی اکرم ﷺ نے بدامنی اور فتنہ وفساد کے مذکورہ اسباب پر اخلاقی اور اصولی نوعیت کی پابندی ہی عاید نہیں کی بلکہ حدود و تعزیرات کی ایسی ربانی دفعات بھی مقرر فرمائی جن کی مدد سے شر، فساد اور بدامنی پر قابو پایا جاسکے اور اس کے بڑھتے ہوئے اثرات کو روکا جاسکے۔ چنانچہ آپ نے چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا، ڈاکہ زنی کی

Marfat.com

سزا ہاتھ پاؤں کا مخالف سمت سے کاٹنا، زنا کی سزا سو کوڑے مارنا، قتل و بغاوت کی سزا گردن زنی اور ظلم و تعدی کی سزا برابر کا انتقام مقرر فرما کر عام انسان کو امن فراہم کرنے کی موثر تدبیر فرمائی۔ برائیوں اور بے حیائیوں کی اشاعت پر بھی آپ نے پابندی لگائی اور اسے قابل سرزنش قرار دیا، تاکہ انسانی معاشرہ میں امن قائم رہے۔ یعنی ایک طرف اخلاقی اصولوں کے ذریعہ انسانی معاشرہ کو امن و سلامتی کی راہوں پر چلنا سکھایا، تو دوسری طرف اس سے انحراف اور بغاوت کرنے والوں کو قانونی تعزیرات کا خوف بھی دلایا۔ مثال کے طور پر فساد فی الارض، راہزنی اور لوٹ مار کو لیجئے جو کسی بھی ملک اور معاشرہ میں بدامنی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اسلام نے اس کا سختی سے مقابلہ کرنے کا حکم دیا ہے اور قرآن میں اس کی سزا نہایت عبرت ناک مقرر کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَاداً أَن يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَافٍ أَوْ يُنفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ. ۳۰

"جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرنے کے لیے تگ و دو کرتے ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ قتل کیے جائیں یا سولی پر چڑھائے جائیں یا ان کے ہاتھ یا پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالیں جائیں یا وہ ملک بدر کیے جائیں یہ ذلت و رسوائی تو ان کے لیے دنیا میں ہے اور آخرت میں ان کے لیے اس سے بڑی سزا ہے۔"

اگر راہزن، فسادی اور ڈاکہ ڈالنے والے کو یہ معلوم ہو جائے کہ ان کے جرائم کی پاداش میں عبرت ناک سزائیں دیجائیں گی تو ہرگز وہ امن عامہ کو برباد کرنے کی جرأت نہیں کریں گے۔ اگر کسی معاشرہ میں چوروں کو یہ احساس ہو جائے کہ وہ چوری کرنے کے نتیجہ میں ہمیشہ کے لیے ایک ہاتھ سے محروم کر دیے جائیں

Marfat.com

گے، تو وہ لازماً اپنے ہاتھ کی حفاظت کو دوسرے کا مال اچکنے پر ترجیح دیں گے۔ اس طرح معاشرے میں چوری کی واردات کم ہی نہیں بلکہ ختم ہو جائیں گی، ان سزاؤں کا خوف اگر ایک طرف جرم کی جرأت اور جسارت کی کمر توڑ دیتا ہے تو دوسری طرف معاشرہ میں عبرت ونصیحت کا عمومی ماحول پیدا کر دیتا ہے۔

عصر حاضر کے ملحدوں اور مشرکوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدود وتعزیرات کی تعلیم کو غیر مہذب اور سفا کی سے تعبیر کیا ہے۔ مگر اہل یورپ نے کلیسا کے مخالفین کو جو سزائیں دیں ان کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، انہوں نے قتل کی سزا نہیں بلکہ زندہ جلانے کی سزا دی۔ امریکہ نے اکیسویں صدی کے آغاز میں افغانستان پر حملہ کر کے وہاں کے قیدیوں کو گونتاموبے جزیرہ میں جو سزا دی وہ تاریخ انسانیت کا المناک باب ہے۔ نیز عراق پر حملہ کر کے معصوم شہریوں کو ابوغریب جیل میں جس سفا کی کا شکار بنایا وہ کس قدر انسانیت سوز ہے۔ بغیر مقدمہ اور عدالتی کاروائی کے ٹارچر کرنا ان نام نہاد مہذب قوموں کا شیوہ بن چکا ہے۔ مخالفوں کو وہ سزا دی جاتی ہے جو جانوروں کو بھی نہیں دی جاتی۔

ناقدوں نے سب سے زیادہ اسلام میں سزائے قتل پر واویلا مچا رکھا ہے، مگر آج بھارت سے لے کر امریکہ تک ہر جگہ Capital punishment یعنی قتل کی سزا دی جا رہی ہے۔ پیغمبر اسلام کی تعلیم کا مذاق اڑانے والے آج خود اپنے اصولوں اور دعووں کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ یا مجبور ہو کر اس تعلیم کی صداقت کو محسوس کر رہے ہیں۔ آنے والے دنوں میں وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا کردہ نظام امن کی معنویت مزید محسوس کریں گے۔ وہ مسلم ممالک جہاں جرم وسزا کا اسلامی قانون نافذ ہے وہاں جرائم کی شرح دوسرے ملکوں کے مقابلہ میں نہایت کم ہے۔ مختصر یہ کہ دنیا میں امن قائم اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ تعلیمات نبوی کو اس کی صحیح روح کے ساتھ اور صحیح تناظر میں نافذ کیا جائے۔ قانون کی حکمرانی کے ساتھ اخلاقی اصولوں کی اشاعت کی جائے۔ تعزیر کے ساتھ خوف خدا دل میں بٹھایا جائے۔

Marfat.com

حوالہ جات

۱ سورۃ الروم: ۱ ۲ سورۃ محمد: ۳۵

۳ سورہ الانفال: ۶۱ ۴ سورہ النساء: ۹۰

۵ سنن ابی داؤد. کتاب الجہاد، باب فی قتل النساء

۶ ایضاً، باب فی النھی عن النھی، اذا کان فی الطعام قلۃ فی ارض العدو

۷ سورہ البقرہ: ۲۰۵ 8 سورہ آل عمران: ۱۵۹

9 عبدالملک ابن ہشام، سیرۃ النبی، مصر ۱۹۵۵ء جلد اول ص ۱۳۴

10 ایضاً

۱۱ الصحیح للبخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام

۱۲ سورہ یوسف: ۴۰ ۱۳ سورہ الاسراء: ۱۱۱

۱۴ سورہ الاعراف: ۵۴ 15 سورہ الجاثیہ: ۳۶، ۳۷

۱۶ سورہ الانعام: ۱۶۵

۱۷ الصحیح للبخاری، کتاب الاحکام۔ باب الحرص علی الامارۃ

۱۸ سورہ النساء: ۵۹

۱۹ الصحیح البخاری، کتاب الاحکام، باب السمع والطاعۃ للامام

۲۰ ایضاً، باب قول اللہ اطیعو اللہ واطیعو الرسول۔

۲۱ سورہ الحجرات: ۱۳

۲۲ اسماعیل ابن کثیر، تفسیر القران العظیم، دمشق، ۱۹۹۰ء، جلد ۴، ص ۲۲۹

۲۳ سورہ حم سجدہ: ۳۴ ۲۴ سورہ الرعد: ۲۲

۲۵ سنن ترمذی، ابواب الدعوات، باب ماجاء مایقول اذا خرج من بیتہ

۲۶ الصحیح للبخاری، کتاب الدیات، باب قول اللہ من احیاھا

۲۷ الصحیح للبخاری، کتاب المظالم، باب لایظلم المسلم المسلم

۲۸ سورہ الجن: ۱۵ ۲۹ سورہ المائدہ: ۲

۳۰ سورہ المائدہ: ۲۳

Marfat.com

اسوۂ حسنہ اور اسوۂ کاملہ

Marfat.com

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے ہر زمانہ اور ہر جغرافیائی خطہ میں اپنی طرف سے کسی نہ کسی منتخب رسول اور پیغمبر کو بھیجا۔ رسولوں کو بھیجنے کا مقصد ہدایت رسانی کے علاوہ اتمام حجت بھی تھا۔ تاکہ قیامت میں جب انسانوں سے ان کے فکر و عمل کے بارے میں اللہ سوال کرے تو وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہمارے پاس تیری ہدایت لے کر کوئی رسول آیا ہی نہیں تو ہم کیوں کر تیری عبادت کرتے اور تیرے بتائے ہوئے احکام کے مطابق زندگی گذارتے۔ قرآن میں رسولوں کی بعثت کا مقصد بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

رُسُلاً مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزاً حَكِيماً[1]

''سارے رسول خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجے گئے تاکہ ان کے آنے کے بعد لوگوں کے لیے اللہ کے مقابلہ میں حجت نہ رہے اور اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے۔''

حضرت آدم علیہ السلام سے لے نبی خاتم محمد ﷺ تک نبوت کا سلسلہ جاری رہا۔ محمد ﷺ سے پہلے جتنے انبیاء تشریف لائے وہ یا تو کسی خاص عہد کے لیے آئے تھے یا خاص قوم کی ہدایت کے لیے مامور تھے۔ مگر یہ اعزاز اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کے لیے خاص کر رکھا تھا کہ ان کو تمام انسانوں اور رہتی دنیا تک کے لیے نبی بنا کر بھیجا اور ان پر سلسلۂ نبوت کو ختم کیا اور دین کو مکمل کر دیا۔ پچھلے انبیاء نے اس آخری رسول ﷺ کی آمد کی بشارت دی اور آخری رسول ﷺ نے پچھلے انبیاء کی تصدیق کی۔ پچھلے تمام انبیاء کی جوہری تعلیمات یعنی توحید، رسالت اور آخرت اور ان کے مقتضیات کا حاصل محمد ﷺ کی شریعت ہے، اور اس کا اتباع گویا تمام رسولوں کا

Marfat.com

اتباع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعاً ۨ الَّذِیْ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَکَلِمٰتِہٖ وَاتَّبِعُوْہُ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ۔[۲]

''(اے محمد ﷺ) کہہ دو کہ اے لوگو! میں تم سب لوگوں کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ جس کے لیے آسمان و زمین کی بادشاہت ہے، اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ وہی زندگی عطا کرتا ہے، وہی موت دیتا ہے۔ اس لیے ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول امی پر جو اللہ اور اس کے کلمہ پر ایمان رکھتا ہے اور رسول کا اتباع کرو تا کہ تم ہدایت یاب ہو جاؤ۔''

یہ آیت صراحت کرتی ہے کہ محمد ﷺ کسی متعین قوم اور خاص عہد کے لیے رسول بن کر نہیں آئے بلکہ تمام انسانوں کے لیے رسول بن کر آئے، اور تمام انسانوں کو اسی نبی امی کے اتباع کا حکم دیا گیا۔ محمد ﷺ کا یہ خاص وصف ہے جو ان کو دوسرے انبیاء کرام سے ممتاز کرتا ہے۔ چنانچہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ دوسرے انبیاء پر مجھے پانچ چیزوں میں فضیلت عطا کی گئی، ان میں سے ایک یہ ہے کہ ''کان النبی یبعث الی قومہ خاصۃ وبعثت الی الناس عامۃ'' ''پچھلے نبی خاص اپنی قوم کے لیے مبعوث ہوئے اور مجھے تمام انسانوں کے لیے مبعوث کیا گیا۔''[۳]

(یوں تو تمام انبیاء اپنے وقت میں اپنی قوم کے لیے نمونہ اور رول ماڈل ہوتے ہیں اور ان کا اتباع کرنا قوم کے لیے لازم ہوتا ہے، مگر آخری رسول محمد ﷺ کو دائمی بنایا گیا ہے۔ اس لیے ہر لحاظ سے ان کو کامل بنایا گیا اور ان کے اسوہ کو ہر پہلو سے قابل تقلید اور واجب الاتباع قرار دیا گیا، ارشاد ہے:

Marfat.com

مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا[4]

"رسول تم کو جو دیں اسے لو اور جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ۔"

خود رسول پاک نے وضاحت فرمائی:

"مانهيتكم عنه فاجتنبوه وما امرتكم به فافعلوا ما استطعتم"[5]

"جس چیز سے تم کو منع کروں اس سے رک جاؤ اور جس چیز کا حکم دوں اسے استطاعت بھر بجالاؤ۔"

اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم کو قابل اتباع نمونہ قرار دیتے ہوئے فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا[6]

"بے شک تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں اسوہ حسنہ موجود ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کو یاد کرتا ہے۔"

یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ یہ اسوہ محمدی جسے اللہ نے مسلمانوں کے لیے نمونہ اور ماڈل قرار دیا ہے ہر لحاظ سے کامل ہے۔ اگر اسوہ کاملہ نہ ہو تو حسنہ بھی نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ ناقص چیز حسین اور بہترین نہیں ہوتی۔ جمال ہمیشہ کمال کا تقاضا کرتا ہے، علامہ سید سلیمان ندوی نے رسول پاک کے اسوہ کاملہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

"آئیڈیل لائف اور نمونہ تقلید بننے کے لیے جو حیات انسانی منتخب کی جائے ضرور ہے کہ اس کی سیرت کے موجودہ نقشہ میں یہ چار باتیں پائی جائیں یعنی تاریخیت، جامعیت، کاملیت اور عملیت۔ میرا یہ مقصد نہیں کہ دیگر انبیاء علیہم السلام کی زندگیاں ان کے عہد اور زمانہ میں ان خصوصیات سے خالی تھیں، بلکہ یہ مقصد ہے کہ ان کی سیرتیں جو ان کے بعد انسانوں تک پہنچیں، یا جو آج موجود ہیں وہ ان خصوصیات سے خالی ہیں، اور ایسا ہونا مصلحت الٰہی کے مطابق تھا۔ تا کہ یہ ثابت

Marfat.com

ہو سکے کہ وہ انبیاء محدود زمانہ اور متعین قوموں کے لیے تھے، اس لیے ان کی سیرتوں کو دوسری قوموں اور آیندہ زمانہ تک محفوظ رہنے کی ضرورت نہ تھی، صرف محمد ﷺ تمام دنیا کی قوموں کے لیے اور قیامت تک کے لیے نمونہ عمل اور قابل تقلید بنا کر بھیجے گئے تھے۔ اس لیے آپ کی سیرت کو ہر حیثیت سے مکمل دائمی اور ہمیشہ کے لیے محفوظ رہنے کی ضرورت تھی، اور یہی ختم نبوت کی سب سے بڑی عملی دلیل ہے۔"[۷]

صرف یہی بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو اسوہ کاملہ عطا فرمایا ہے بلکہ اپنی محبت کا معیار بھی انھی کے اسوہ کے اتباع کو قرار دیا ہے، ارشاد ہے:

قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ[۸]

"اے محمد ﷺ! کہہ دو کہ اے لوگو! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو تب اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کرے گا اور اللہ بڑا مغفرت کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔"

جس رسول کے اسوہ کا اتباع اللہ سے محبت کا معیار ہو اس کے لیے کامل ہونا ضروری ہے کیوں کہ ناقص اسوہ کبھی معیار نہیں بن سکتا۔ امام بخاری کا قول ہے:

"اذا ترک شیئا من الکمال فھو ناقص"[۹]

"جب کمال میں کوئی چیز چھوڑ دی جائے تو وہ ناقص ہو جاتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے آخری نبی محمد ﷺ کو کسی بھی لحاظ سے ناقص نہیں چھوڑا۔ نہ عقل و فہم کے لحاظ سے، نہ جسمانی ساخت کے لحاظ سے، نہ اخلاقی لحاظ سے اور نہ تہذیبی و دینی لحاظ سے، بلکہ ہر طرح سے مکمل بنایا۔ عقل و فہم کے لحاظ سے اتنا مکمل بنایا کہ عقل مند انسانوں کی جماعت کو اعتراف کرنا پڑا:

"قد کان صلی اللہ علیہ وسلم من کمال العقل فی الغایۃ القصوی التی لم یبلغوا بشر اسواہٗ ولھذا کانت معارفہٗ عظیمۃ وخصائصۃ جسیمۃ"[۱۰]

Marfat.com

"نبی ﷺ کی عقل کا کمال اس آخری بلندی پر پہنچا ہوا تھا جہاں تک کسی انسان کی رسائی نہ ہوسکی اور اسی لیے ان کے معارف عظیم تھے اور ان کی خوبیاں ہمہ گیر تھیں۔"

اخلاقی کمال کا یہ عالم تھا کہ اس کی گواہی خود رب العالمین نے یہ کہہ کر دی:

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ [۱۱]

"بے شک آپ اخلاق عظیم پر فائز ہیں۔"

جسمانی لحاظ سے اتنا کامل اور متناسب بنایا کہ حضرت حسّان بن ثابت کو کہنا پڑا:

خلقت مبرء أ من کل عیب ‌ ‌ ‌ کانک قد خلقت کما تشاء [۱۲]

"آپ ﷺ ہر قسم کے عیب سے پاک پیدا کیے گئے ہیں گویا کہ آپ اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق پیدا کیے گئے ہیں۔"

دین کے کامل ہونے کا اعلان حجۃ الوداع کے موقع پر اس طرح فرمایا:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً [۱۳]

"آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا، اور اپنی نعمت تم پر تمام کردی ہے، اور تمہارے لیے اسلام کو دین کی حیثیت سے منظور کر لیا ہے۔"

یعنی اب رسالت کا سلسلہ ختم کیا جائے گا اور وحی کی آمد بند کردی جائے گی، اس لیے دین کامل اور رسول کامل آخری مرتبہ انسانوں کو عطا کیا جارہا ہے۔ جو ایمان، اعمال، تمدن، تہذیب، اخلاق، معاشرت، اقتصادیات، معاملات، حکومت غرض یہ کہ ہر شعبہ کی رہنمائی کے لیے مکمل ہے۔ اب نہ مسلمانوں کو ان امور میں رہنمائی کے لیے کسی اور طرف دیکھنے کی ضرورت ہے اور نہ کہیں سے کوئی چیز درآمد کرنے کی ضرورت ہے۔ عہد بہ عہد بدلتے ہوئے حالات میں انسانی ضروریات کی

Marfat.com

تکمیل کے لیے اوران کو پریشانیوں سے بچانے کے لیے رسول کامل کے وارثین ان کے عطا کردہ اصولوں کی روشنی میں اجتہاد کرتے رہیں گے اور امت کے مسائل و مشکلات کا حل ڈھونڈتے رہیں گے۔ مفسر قرآن علامہ ابن کثیر نے مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

"ھذہ اکبر نعم اللہ تعالیٰ علی ھذہِ الامۃ حیث اکمل تعالیٰ لھم دینھم، فلا یحتاجون الی دین غیرہِ ، ولا الی نبی غیر نبیھم صلوات اللہ و سلامہ علیہ، ولھذا جعلہٗ اللہ تعالیٰ خاتم الانبیاء وبعثہٗ الی الانس والجن فلا حلال الا ما احلہٗ ولا حرام الا ما حرمہٗ، ولا دین الا ما شرعہٗ وکل شئی اخبربہ فھو حق وصدق لا کذب فیہ ولا خلف" [۱۴]

"اس امت پر یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے کہ اللہ نے اس کے لیے اس کا دین مکمل کردیا۔ اب وہ کسی اور دین کے محتاج نہیں، اور اپنے نبی کے علاوہ کسی اور نبی کے محتاج نہیں۔ ان پر اللہ کی سلامتی ہو۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو خاتم الانبیاء بنایا اور تمام انس وجن کی طرف مبعوث فرمایا۔ حلال وہی ہے جسے آپ ﷺ نے حلال کیا اور حرام وہی ہے جسے آپ ﷺ نے حرام قرار دیا۔ دین وہی ہے جسے آپ ﷺ نے مشروع کیا، آپ ﷺ نے جس چیز کی خبر دی وہ حق وصداقت ہے، اس میں کوئی کذب وخلاف نہیں۔"

اگر رسول کا اسوۂ کاملہ نہ ہوتو وہ "خاتم النبیین" نہیں ہو سکتے۔ کیوں کہ اس کی تکمیل کے لیے اگلے رسول کی حاجت ہوگی اور یہ احتیاج کمال کے منافی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جب محمد ﷺ کو خاتم المرسلین والنبیین بنایا اور ہر زمانہ کے لیے رہنما بنایا تو ان کو ہر نقص سے پاک اور ہر طرح سے کامل بنایا۔ قدرت نے رسول کامل

Marfat.com

کے اسوۂ حسنہ کی حفاظت اور اشاعت کا ایسا انتظام فرمایا جو گذشتہ کسی رسول کے سلسلہ میں نہیں فرمایا۔ آخری رسول کی زندگی کا ایک ایک عمل اس طرح محفوظ کر دیا کہ دنیا کسی طرح کے اندھیرے اور شک وشبہ میں نہ رہے بلکہ چمکتے سورج کی طرح رسول کا اسوہ دیکھے اور اپنی منزل طے کرے۔ بقول علامہ سلیمان ندوی:

”کوئی زندگی خواہ کسی قدر تاریخی ہو جب تک وہ کامل نہ ہو ہمارے لیے نمونہ نہیں بن سکتی، کسی زندگی کا کامل اور ہر نقص سے بری ہونا اس وقت تک ثابت نہیں ہو سکتا، جب تک اس زندگی کے تمام اجزا ہمارے سامنے نہ ہوں۔ پیغمبر اسلام ﷺ کی زندگی کا ہر لمحہ پیدائش سے لے کر وفات تک ان کے زمانہ کے لوگوں کے سامنے اور ان کی وفات کے بعد تاریخ عالم کے سامنے ہے، ان کی زندگی کا کوئی مختصر سے مختصر زمانہ بھی ایسا نہیں گذرا جب وہ اپنے اہل وطن کی آنکھوں سے اوجھل ہو کر آئندہ کی تیاری میں مصروف ہوں۔“ [۱۵]

صحابہ کرام سے لے کر آج تک، تمام محدثین، مفسرین، سیرت نگار، تاریخ نویس، علماء، فقہاء اور گویا تمام امت مسلمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ رسول پاک ﷺ ہر عیب سے پاک، ان کی شخصیت ہر حیثیت سے کامل اور ان کی سیرت ہر پہلو سے روشن، ان کا اسوہ اعلیٰ، ارفع و افضل اور مکمل ہے۔ جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی نبوت کو ناقص سمجھا اور ختم نبوت کا انکار کیا، امت مسلمہ نے ان کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا اور یہود و نصاریٰ کی طرح ان کو بھی غیر مسلم جانا۔ چنانچہ مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے متبعین کو قرآن و حدیث پڑھنے اور نماز روزہ کا عمل کرنے کے باوجود مسلمانوں نے غیر مسلم قرار دیا۔ یہ اس بات کا روشن ثبوت ہے کہ امت مسلمہ اپنے رسول کی رسالت اور ان کے اسوہ کو کامل اور خاتم سمجھتی ہے۔ اس میں وہ کسی قسم کے اشتباہ کا شکار نہیں ہے اور کسی مداہنت کے لیے تیار نہیں ہے۔

مگر اکیسویں صدی میں بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح ختم نبوت کا انکار تو نہیں کرتے مگر امت مسلمہ کی طرح اسوۂ رسول ﷺ کے

Marfat.com

کامل ہونے کا یقین نہیں رکھتے اور نہ ہر عہد میں اسے واجب الاتباع سمجھتے ہیں۔ اس عقیدہ کے لوگ مشرک و یہود و نصاریٰ تو نہیں مگر ان کے حمایت یافتہ ضرور ہیں۔ ایسے لوگوں میں ایک معروف نام ماہ نامہ الرسالہ نئی دہلی کے مدیر کا بھی ہے جو محمد رسول ﷺ کے اسوہ حسنہ کو کلی طور پر قابل انطباق اور اسوہ کاملہ ماننے سے انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہی معاملہ پیغمبر اسلام ﷺ کا بھی ہے۔ آپ بلاشبہ آخری پیغمبر (Final Prophet) تھے، لیکن آپ ہر صورت حال کے لیے آخری نمونہ (Final Model) نہیں تھے، چنانچہ آپ کے لیے قرآن میں اسوہ حسنہ کا لفظ آیا ہے نہ کہ اسوہ کاملہ کا۔ (الاحزاب:۲۱) کسی پیغمبر کو فائنل ماڈل سمجھنا خدا کے قائم کردہ قانون فطرت کی تنسیخ کے ہم معنی ہے۔ ایسی تنسیخ ممکن نہیں۔ اس لیے عملی اعتبار سے کسی پیغمبر کا فائنل ماڈل ہونا بھی ممکن نہیں، فائنل پرافٹ کا تعلق دین کے نظریاتی حصہ سے ہے اور نظریاتی اعتبار سے بلاشبہ ایک پیغمبر فائنل پیغمبر ہوسکتا ہے، لیکن ماڈل کا تعلق خارجی حالات سے ہے۔ یہ حالات ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں اس لیے عملی اعتبار سے کوئی ایک پیغمبر فائنل ماڈل نہیں بن سکتا۔"[16]

متجددین اور کمزور یقین کے حامل افراد بہت سے ہیں مگر اسوہ محمدی ﷺ کے دائمی اور عالمگیر ہونے کے ایسے منکرین کم ہیں جو رسول پاک ﷺ کو آخری نبی مانتے تو ہیں مگر آخری نمونہ نہیں۔ نظری طور پر رہنما مانتے ہیں مگر عملی طور پر کامل رہنما نہیں۔ وہ اپنی اس بدعقیدگی کو حق بجانب ٹھہرانے کے لیے اسوہ حسنہ اور اسوہ کاملہ میں فرق کرنے کا مغالطہ دیتے ہیں اور قرآن کریم کی اس آیت کا مصداق بن گئے ہیں:

وَارْتَابَتْ قُلُوبُهُمْ فَهُمْ فِي رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُونَ [17]

"اور ان کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں اور وہ اپنے شک ہی میں سرگرداں ہیں۔"

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جہاں جہاں اپنی اطاعت کی طرف لوگوں کو بلایا ہے وہاں محمد ﷺ کی اطاعت کی بھی دعوت دی ہے اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو کامیابی کے لیے شرط قرار دیا ہے، مثلاً ارشاد ہے:

وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزاً عَظِيماً [۱۸]

''اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ عظیم کامیابی سے ہم کنار ہوگا۔''

بلکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی اطاعت کو اللہ کی اطاعت سے اور اپنی نافرمانی کو اللہ کی نافرمانی سے تعبیر فرمایا ہے۔ ارشاد ہے:

''من اطاعتی فقد اطاع اللہ و من عصانی فقد عصی اللہ'' [۱۹]

''جس نے میری اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔''

واضح رہے کہ رسول کی اطاعت کا مطالبہ جزوی نہیں کلی ہے۔ بعض کو اختیار کرنے اور بعض کو چھوڑنے کی اجازت نہیں۔ اگر کوئی مسلمان کسی بھی معاملہ میں اپنے رسول کا اسوہ اس یقین کے ساتھ چھوڑتا ہے کہ یہ قابل عمل نہیں تو اس کے نافرمان اور گنہگار ہونے میں کوئی شبہ نہیں البتہ اس کے ایمان میں شبہ ضرور ہے۔ اگر محمد ﷺ آخری نمونہ نہ ہوتے اور ان کے اسوہ کا اتباع واجب نہ ہوتا تو اللہ کبھی ان کو آخری پیغمبر نہ بناتا بلکہ دوسرے پیغمبروں کی طرح ایسا پیغمبر بناتا جو مخصوص عہد اور خاص قوم کے لیے مبعوث ہوتے۔ ان کو خاتم النبیین بنایا جانا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ آپ ﷺ کا اسوہ اور ماڈل دائمی اور فائنل ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی نے بجا طور پر لکھا ہے کہ:

''ہم تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا ادب اور احترام کرتے ہیں اور ان کے سچے پیغمبر ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ لیکن بفحوائے ''تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض'''' یہ پیغمبر ہیں جن میں سے بعض کو بعض پر ہم نے فضیلت دی ہے۔''

Marfat.com

دوام، بقا، ختم نبوت اور آخری کامل انسانی سیرت ہونے کی حیثیت سے محمد رسول ﷺ کو جو خاص شرف عطا ہوا ہے، وہ دیگر انبیاء کو اس لیے نہیں مرحمت ہوا کہ ان کو دائمی، آخری اور خاتم نبوت نہیں بنایا گیا تھا۔ ان کی سیرتوں کا مقصد ایک خاص قوم کو ایک خاص زمانہ تک نمونہ دینا تھا۔ اس لیے اس زمانہ کے بعد وہ بتدریج دنیا میں فنا ہوگئیں۔'' [۲۰]

حضرت ختمی مرتبت ﷺ کے اسوہ کاملہ کا انکار کرنا اور عملی اعتبار سے اسے ناقابل اختیار قرار دینا اور فائنل ماڈل یا آخری نمونہ کی حیثیت سے اسے رد کردینا ایسی جراحت آمیز جسارت ہے جو اپنے مرتکب کو ختم نبوت کے منکرین کی حلقہ میں پہنچادیتی ہے۔ اسے فکری ارتداد بھی کہا جاسکتا ہے۔

طرفہ تماشا یہ ہے کہ موصوف کی نظر میں محمد ﷺ کا اسوہ تو قابل اتباع نہیں ہے مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اسوہ مسلمانوں کے لیے قابل اتباع ہے۔ اسی مضمون میں آگے وہ یہ بھی لکھتے ہیں:

''جیسا کہ معلوم ہے پیغمبر آخر الزماں کا زمانہ نبوت قیامت تک ہے۔ اس لیے اب آپ کے بعد کسی اور پیغمبر کا شخصی طور پر آنا ناقابل فہم بات ہے۔ اس لیے ان روایات کو درست مانتے ہوئے ان کی صحیح تاویل یہ ہے کہ بعد کے زمانہ میں جو چیز واقع ہوگی وہ مسیح کی آمد ثانی نہیں ہے بلکہ مسیح کے ماڈل کی آمد ثانی ہے، یعنی بعد کے زمانہ میں حالات کے اندر ایسی تبدیلیاں واقع ہوں گی کہ حالات کے اعتبار سے حضرت مسیح کا ماڈل زیادہ قابل انطباق (Applicable) بن جائے گا۔'' [۲۱]

نعوذ باللہ تعالیٰ، ذہن وقلم کی پستی کی بھی انتہا ہوتی ہے۔ موصوف نے ایک طرف ان صحیح احادیث کو ناقابل فہم یعنی من گھڑت قرار دیا جس میں قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ تشریف لانے کی صراحت موجود ہے [۲۲] دوسری طرف محمد ﷺ کے مقابلہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قابل اتباع قرار دیا ہے۔ یعنی اسوہ محمد ﷺ پر سرخ قلم پھیر دیا ہے۔ نزول عیسیٰ علیہ السلام کی احادیث کو

Marfat.com

نا قابل فہم اس لیے قرار دیا ہے کہ مسلمانوں کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ اپنے دوسرے نزول میں پیغمبر بن کر نہیں آئیں گے بلکہ امت محمد ﷺ کے امام کی اقتدا کریں گے[۲۳] موصوف کو یہ گوارا نہ ہوا کہ حضرت عیسی علیہ السلام محمد ﷺ کے اسوہ کا اتباع کریں لہٰذا انھوں نے احادیث کو نا قابل فہم قرار دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو محمد ﷺ سے بڑا مرتبہ عطا کر دیا۔

اس فکر و ذہن پر عیسائی حکومتوں کی جانب سے موصوف کو وہ اعزاز ملنا چاہیے جو سلمان رشدی کو دیا گیا ہے۔ مدیر الرسالہ نے اپنے اس فکری انحراف کی حمایت کے لیے قرآن پاک کے مفہوم کو بھی تحریف معنوی کا شکار بنایا۔ چنانچہ سورہ الصّف کی آیت ۱۴ سے استدلال کرتے ہوئے لکھا:

”اے ایمان لانے والو تم لوگ خدا کے مددگار بنو، جیسا کہ عیسیٰ بن مریم نے اپنے حواریوں سے کہا کہ کون ہے جو خدا کے لیے میرا مددگار بنتا ہے۔ حواریوں نے کہا کہ ہم ہیں خدا کے مددگار، پھر بنی اسرائیل کے ایک گروہ نے مانا اور ایک گروہ نے انکار کر دیا، پھر ہم نے ماننے والوں کی ان کے دشمنوں کے خلاف مدد کی تو وہ ہو گئے غالب۔“ (الصّف:۱۴)

”اس آیت کا اسلوب ایک غیر معمولی اسلوب ہے۔ اس لیے کہ اس آیت میں واضح طور پر پیروان محمد ﷺ کو پیروان مسیح کے ماڈل کو اپنانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس آیت پر غور کیا جائے تو اس سے ایک نہایت اہم حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے۔ یہاں خدا نے حال کی زبان میں مستقبل کے معاملہ کو بیان فرمایا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ تاریخ میں ایسی تبدیلیاں واقع ہوں گی کہ محمدی ماڈل زمانی حالات کی نسبت سے جزئی طور پر قابل انطباق (Applicable) نہ رہے گا۔ اس کے بجائے مسیحی ماڈل جزئی طور پر قابل انطباق بن جائے گا۔“[۲۴]

اسوہ محمدی کو نا قابل عمل قرار دینے کے لیے قرآن کریم کی آیت کا مفہوم جس طرح توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا ہے وہ تحریف معنوی کی بدترین مثال ہے۔ اللہ نے

Marfat.com

جس اسوہ کو منسوخ کیا ہے موصوف نے اسے ناسخ بنا دیا اور جس اسوہ کو اللہ نے ناسخ بنایا تھا اسے موصوف نے منسوخ قرار دیا۔ ع بریں عقل و دانش بباید گریست۔

مذکورہ آیت میں نہ تو اسوہ محمدی کو جزوی طور پر نا قابل انطباق قرار دیا گیا ہے اور نہ مسیحی اسوہ کے اتباع کی دعوت دی گئی ہے۔ بلکہ صحابہ کرام کو خود محمد رسول اللہ ﷺ کی حمایت اور نصرت و جاں نثاری کی دعوت دی گئی ہے۔ جس طرح ماضی میں حواریوں نے اس وقت کے نبی حضرت عیسی علیہ السلام کی حمایت و نصرت کی تھی۔ تاریخ شاہد ہے کہ صحابہ کرام نے حضرت محمد ﷺ کی حمایت اور نصرت کا حق پیروان مسیح علیہ السلام کے مقابلہ میں بہتر طریقہ سے ادا کیا۔ چنانچہ رسول پاک ﷺ نے ان کو ہدایت کا ستارہ کہا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی اس نصرت اور فدا کاری سے خوش ہو کر دنیا میں ہی ان سے راضی ہونے کا اعلان کیا۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

یہ صرف اسلامی عقیدہ اور تاریخ ہی کی شہادت نہیں کہ اصحاب محمد ﷺ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں سے زیادہ وفادار اور جاں نثار تھے بلکہ خود عیسائی مورخوں نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ گارڈ فری ہیگنس (Godfrey Higgins) نے لکھا ہے:

''عیسائی اس کو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ محمد ﷺ کے پیغام نے وہ نشہ آپ کے پیروؤں میں پیدا کر دیا تھا کہ جس کو عیسیٰ علیہ السلام کے ابتدائی پیروؤں میں تلاش کرنا بے سود ہے۔ جب عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر لے گئے تو ان کے پیرو بھاگ گئے، ان کا نشہ دینی جاتا رہا، اور اپنے مقتدا کو موت کے پنجہ میں گرفتار چھوڑ کر چل دیے۔ اس کے برعکس محمد ﷺ کے پیرو اپنے مظلوم پیغمبر کے گرد آئے اور آپ کے بچاؤ میں اپنی جانیں خطرہ میں ڈال کر سارے دشمنوں پر آپ کو غالب کر دیا۔''[۲۵]

یہ بھی غور کیجیے کہ خود حضور ﷺ کے زمانہ کے پیروان مسیح علیہ السلام کو قرآن نے گمراہ قرار دیا ہے اور ان کا اتباع کرنے سے مسلمانوں کو روکا ہے۔ تو آخر کس

Marfat.com

طرح بعد میں آنے والے مسیحی دشمنان اسلام کے اتباع کی دعوت دے سکتا ہے۔

واقعہ ہے کہ قرآن کریم میں پیروان محمد کو ہرگز پیروان عیسیٰ کا نمونہ اختیار کرنے کی دعوت نہیں دی گئی۔ بلکہ ان کے اتباع کو گمراہی قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

وَلَن تَرْضَى عَنكَ الْيَهُودُ وَلاَ النَّصَارَى حَتَّى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ إِنَّ هُدَى اللّهِ هُوَ الْهُدَى وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءهُم بَعْدَ الَّذِي جَاءكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّهِ مِن وَلِيٍّ وَلاَ نَصِيرٍ [۲۶]

"تم سے یہود و نصاریٰ ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک کہ تم ان کی ملت کا اتباع نہ کرنے لگو، کہدو کہ اللہ کی ہدایت ہی برحق ہدایت ہے اور اگر تم نے علم آجانے کے باوجود ان کی خواہشوں کا اتباع کیا تو اللہ کے یہاں نہ تو تمہارا کوئی ولی ہوگا اور نہ مددگار۔"

جہاں تک آخری زمانہ میں حضرت عیسیٰؑ کے اسوہ کے قابل انطباق ہونے کی بات ہے، اس سلسلہ میں اہل ایمان کو دھوکہ نہ کھانا چاہیے اور یقین رکھنا چاہیے کہ قیامت تک صرف محمد ﷺ کا اسوہ ہی قابل انطباق رہے گا اور عیسیٰ علیہ السلام کا اسوہ قابل انطباق نہ رہے گا۔ اس کے چند بنیادی اسباب ہیں:

اول یہ کہ حضرت عیسیٰ دنیا کی ساری قوموں کے لیے اسوہ بن کر نہیں آئے تھے بلکہ صرف قوم بنی اسرائیل کے لیے رسول بن کر آئے تھے۔ قرآن نے صراحت کردی ہے کہ اللہ نے جب حضرت مریم کو عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت دی تھی، تو فرمایا تھا:

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالإِنجِيلَ وَرَسُولاً إِلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ [۲۷]

"اللہ تعالیٰ اسے کتاب وحکمت اور تورات وانجیل کی تعلیم دے گا اور وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول ہوگا۔"

Marfat.com

خود انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اعتراف موجود ہے کہ وہ متعین قوم کے لیے رسول بن کر آئے تھے چنانچہ جس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام حواریوں کو تبلیغ کے لیے روانہ کر رہے تھے، اس وقت ان کو غیر بنی اسرائیل کی طرف جانے سے یہ کہہ کر منع کر دیا تھا کہ:

"بنی اسرائیل کے گھرانہ کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس بھیجا نہیں گیا ہوں۔" [۲۸]

دوم یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت خود حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی تمہید تھی لہٰذا ان کا اسوہ بھی موقت اور محدود تھا۔ قرآن پاک میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیان کو ان لفظوں میں بیان کیا گیا ہے:

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُم مُّصَدِّقاً لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّراً بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ [۲۹]

"اور جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا کہ اے بنی اسرائیل! میں تمہارے لیے، اللہ کا رسول ہوں جو توراۃ میرے سامنے ہے اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک ایسے رسول کی خوش خبری دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا، ان کا نام احمد ہوگا۔"

یہ تو قرآن کی صراحت ہے، انجیل میں بھی تحریفوں کے باوجود بعض آسمانی صداقت کی رمق باقی ہے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ کا بیان موجود ہے:

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کیوں کہ اگر میں نہ جاؤں گا تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا۔ لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ اور وہ آ کر دنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائے گا۔" [۳۰]

سوم یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے تفصیلی حالات عبادات،

Marfat.com

معاملات، سماجی تعلقات، معاشی سرگرمیوں، انتظامی اور حکومتی رویوں کے سلسلہ میں مفقود ہیں۔ ان سے آج کے زمانہ میں رہنمائی حاصل کرنا ممکن نہیں۔ جو کچھ عیسائی حضرات ان کی طرف منسوب کرتے ہیں اس کا استناد اور اعتبار مشکوک ہے۔ نمونہ بننے کے لیے ایک بے غبار تاریخی طور پر غیر مشکوک اور روشن سیرت کا سامنے ہونا ضروری ہے۔

چہارم یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی شادی نہیں کی، بال بچوں کے مسائل کا تجربہ نہیں کیا، اور نہ کبھی خانگی الجھنوں سے سابقہ پڑا۔ اس لیے وہ راہبوں کے لیے اسوہ تو ہو سکتے ہیں مگر ازدواجی زندگی کے لیے، بال بچوں، ماں باپ اور بیوی وشوہر کے لیے اسوہ کس طرح ہو سکتے ہیں؟ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کبھی جہاد کا موقع نہیں ملا اور نہ کسی سماج یا حکومت کی سربراہی کا موقع ملا۔ اس صورت میں وہ اجتماعی، معاشی اور سیاسی معاملات میں افراد، اداروں اور ریاستوں کے لیے کیا اسوہ فراہم کر سکتے ہیں؟ علامہ سید سلیمان ندوی نے حقیقت پسندی کے ساتھ لکھا ہے:

> ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں تھیں اور انجیل کے بیان کے مطابق ان کے بھائی بہن بھی تھے بلکہ مادی باپ تک بھی موجود تھا۔ مگر ان کی زندگی کے واقعات ان عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ ان کا تعلق، طرز عمل، سلوک اور برتاؤ نہیں ظاہر کرتے، حالانکہ دنیا ہمیشہ انھی تعلقات سے آباد رہی ہے، اور رہے گی، مذہب کا بڑا حصہ انھی کی متعلقہ ذمہ داریوں کے ادا کرنے کا نام ہے، علاوہ ازیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے محکومی کی زندگی بسر کی، اس لیے ان کی سیرت تمام حاکمانہ فرائض کی مثالوں سے خالی ہے، وہ متاہل (شادی شدہ) نہ تھے اس لیے ان دو جوڑوں کے لیے جن کے درمیان تورات کے پہلے باب نے ماں باپ سے زیادہ مضبوط رشتہ قائم کیا ہے، حضرت عیسیٰ کی زندگی تقلید کا کوئی سامان نہیں رکھتی، اور چونکہ دنیا کی

Marfat.com

بیشتر آبادی متاہلانہ زندگی رکھتی ہے اس لیے اس کے معنی یہ ہیں کہ دنیا کے بیشتر حصہ آبادی کے لیے ان کی سیرت نمونہ نہیں بن سکتی، جس نے گھر بار، اہل وعیال، مال و دولت، صلح و جنگ دوست و دشمن کے تعلقات سے کبھی واسطہ ہی نہ رکھا ہو وہ اس دنیا کے لیے جو انھی تعلقات سے معمور ہے کیوں کر مثال بن سکتا ہے۔ اگر آج دنیا یہ زندگی اختیار کرلے تو کل وہ سنسان قبرستان بن جائے تمام ترقیاں دفعتۃً رک جائیں اور عیسائی یورپ تو شاید ایک منٹ کے لیے بھی زندہ نہ رہے۔"[۳۱]

خود عیسائی دنیا مسیحی اسوہ سے کس طرح ناطہ توڑ چکی ہے اس کا مظاہرہ تمام یورپی ممالک میں ہو رہا ہے۔ بائبل کا نام لینے حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا ثابت کرنے اور عیسائیت کی تبلیغ میں مال وتن لگانے کے باوجود عیسائیوں کے لیے حضرت عیسیٰؑ کی اصل تعلیم مذہبی استعارہ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی اور عملی دنیا مادیت، اباحیت اور ثنویت میں ڈوبی ہوئی ہے۔

اس کے برخلاف محمد ﷺ کا اسوہ ہر دور میں، ہر قوم کے لیے اور زندگی کے ہر گوشہ کے لیے اسوہ فراہم کرتا ہے، خواہ وہ انفرادی زندگی ہو یا ازدواجی، خاندانی زندگی ہو یا سماجی، عبادات کا معاملہ ہو یا اخلاقیات کا، معاشیات کا مسئلہ ہو یا سیاسیات کا، رسول اللہ ﷺ کا اسوہ نہ صرف کامل طریقہ سے رہنمائی کرتا ہے۔ بلکہ محدثین اور سیرت نگاروں نے نہایت مستند طریقہ سے ان کی زندگی کی تمام جزئیات اور تفصیلات کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کر کے رکھا ہے جس میں التباس اور اشتباہ نہیں ہے۔

عیسائی دانش ور مائیکل ہارٹ نے دنیا کی سو عظیم تاریخی شخصیات کی سیرت پر مشتمل کتاب لکھی۔ اس کتاب میں سب سے پہلے نمبر پر حضرت محمد ﷺ کو رکھا۔ مصنف عیسائی ہے مگر اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بجائے محمد ﷺ کو قابل ترجیح اس لیے سمجھا کہ یہ واحد تاریخی ہستی ہے جو مذہبی اور دنیاوی دونوں محاذوں پر یکساں

Marfat.com

طور پر کامیاب رہی ہے۔ ۳۲ انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کے برعکس حضرت محمد ﷺ نہ صرف ایک کامیاب رہنما تھے، بلکہ مذہبی پیشوا بھی تھے۔ فی الحقیقت وہی عرب کے پس پشت موجود اصل طاقت تھے۔ اس اعتبار سے وہ تمام انسانی تاریخ میں سب سے زیادہ متاثر کن سیاسی قائد ثابت ہوئے ہیں۔ ۳۳

اس آخری نبی ﷺ کا اسوہ اتنا کامل اور معیاری ہے کہ کوئی جلیل القدر نبی بھی آج کے عہد میں بالفرض والمحال تشریف لے آتے تو اسی اسوہ کا اتباع کرنے میں روحانی سکون اور ذاتی فخر محسوس کرتے۔ چنانچہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا:

"لو کان موسیٰ حیاما وسعهٔ الا اتباعی" ۳۴

"اگر موسیٰ علیہ السلام آج زندہ ہوتے تو وہ میرا ہی اتباع کرتے۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ معروف ہے کہ جب دوبارہ ان کی آمد ہوگی تو وہ اپنی نبوت کا اعلان نہیں کریں گے، امام المسلمین کی اقتدا کریں گے اور مقتدی بن کر اسوہ محمدی کی دعوت دیں گے کیوں کہ یہی اسوہ اس قابل ہے کہ رہتی دنیا تک اسے نمونہ عمل بنایا جائے اور اس کا انطباق انفرادی و اجتماعی، قومی اور بین الاقوامی سطح پر کیا جائے، بقول علامہ سید سلیمان ندوی:

"گویا سیرت محمد ﷺ دنیا کا آئینہ خانہ ہے جس میں دیکھ کر ہر شخص اپنے جسم و روح، ظاہر و باطن، قول و عمل، زبان و دل، آداب و رسوم، طور وطریق کی اصلاح و درستی کر سکتا ہے اور اسی لیے کوئی مسلمان قوم اپنی شائستگی اور ادب و اخلاق کے لیے اپنے مذہب سے باہر اور اپنے رسول کی سیرت سے الگ کوئی چیز نہیں مانگتی اور نہ اس کی اس کو ضرورت ہے، سیرت محمدی وسیع، عالمگیر آئینہ ہے، اسی کے مقابلہ سے حسن و قبح اور نیکی و بدی کا راز اس پر کھلتا ہے اور چونکہ کوئی انسانی کامل زندگی اس استیعاب اور استقصا کے ساتھ دنیا کے سامنے موجود نہیں اس لیے تمام انسانوں کے لیے یہی ایک کامل نمونہ

Marfat.com

ہے۔ اور ایسی ہی کامل اور بے پردہ زندگی انسانوں کے لیے قابل نمونہ ہوسکتی ہے۔'' ۳۵؎

جو لوگ رہنمائی اور روشنی کے لیے دربار محمدیؐ کے علاوہ کہیں اور دست سوال پھیلا رہے ہیں ان کے حصہ میں ناکامی، مایوسی اور گمراہی کے سوا کچھ نہیں آئے گا۔ وہ قرآن کی اس آیت کا مصداق بن جائیں گے:

وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ۔ ۳۶؎

''اور جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی اور دین ڈھونڈے گا وہ قابل قبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں نامراد ہوگا''

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے لکھا ہے:

''مقامی نبوتوں اور ہدایتوں کا عہد گذر چکا، اب سب سے بڑی آخری اور عالم گیر نبوت و ہدایت سے ہی روشنی حاصل کرنی چاہیے کہ یہی تمام روشنیوں کا خزانہ ہے جس میں پہلی تمام روشنیاں مدغم ہوچکی ہیں'' ۳۷؎

مشہور سیرت نگار علامہ قسطلانی نے شریعت موسویؑ اور شریعت عیسویؑ کا شریعت محمدیؐ سے موازنہ کرتے ہوئے بطور خلاصہ لکھا ہے:

''ہمارے نبی محمد ﷺ کمال کے مظہر تھے۔ قوت عدل اور اللہ کے معاملہ میں شدت اور نرمی و رحمت کے جامع تھے۔ ان کی شریعت تمام شریعتوں سے زیادہ کامل ہے اور ان کی امت دوسری تمام امتوں سے زیادہ کامل ہے۔ ان کے احوال و مقامات دوسروں کے احوال و مقامات سے زیادہ کامل ہیں۔ اسی لیے آپ ﷺ کی شریعت عدل و انصاف کو فرض و واجب قرار دیتی ہے اور فضل و مہربانی کو مستحب اور پسندیدہ۔ سختی کے مقام پر سختی اور نرمی کے مقام پر نرمی کی تعلیم دیتی ہے۔ تلوار کو اس کے جائز مقام پر رکھتی ہے اور شبنم کو اس کے مناسب مقام پر رکھتی ہے۔ اس شریعت میں ظلم حرام ہے، عدل کا حکم

Marfat.com

ہے اور نرمی ومہربانی کی تلقین اور حوصلہ افزائی ہے"۔ ۳۸

علماء امت کی یہ تصریحات امت مسلمہ کے عقیدہ اور اجتماعی رویہ کی نشان دہی کرتی ہیں جو آخری رسول محمد ﷺ کے اسوہ سے ماخوذ ہے۔

اس وقت عیسائی دنیا کی طرف سے ذات محمدی اور رسالت محمدی پر جو حملے ہو رہے ہیں اور خود مسلمانوں کے درمیان ایسے لوگ اٹھ رہے ہیں جو اسوہ محمدی ﷺ کو ناقابل نفاذ اور انطباق ٹھہرا رہے ہیں، مسلمان امت کو ایک چیلنج فراہم کر رہے ہیں کہ وہ اپنی سیرت کو نبی کی سیرت میں ڈھالیں اور سیرت محمدی کے جمال اور کمال کا عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کریں۔ اس میں دنیا کی بھلائی اور آخرت کی کامیابی دونوں موجود ہے۔ بقول شاعر:

حشر میں خلوت سرکارِ امم تک پہونچا
مرحبا صل علی باغ ارم تک پہونچا
ان کی معراج کہ وہ عرش بریں تک پہونچے
میری معراج کہ میں ان کے قدم تک پہونچا

حوالہ جات

۱۔ القرآن الکریم، سورہ النساء: ۱۶۵
۲۔ سورۃ الاعراف: ۱۵۸
۳۔ الصحیح للبخاری، کتاب التیمم
۴۔ سورۃ الحشر: ۷
۵۔ الصحیح لمسلم، کتاب الفضائل، باب توقیر النبی ﷺ
۶۔ سورہ الاحزاب: ۲۱
۷۔ سید سلیمان ندوی، خطبات مدارس، اعظم گڑھ، ۱۹۸۳ء، ص ۴۲
۸۔ سورہ آل عمران: ۳۱
۹۔ الصحیح للبخاری، کتاب الایمان، باب زیادۃ الایمان ونقصانہٗ
۱۰۔ احمد علی القسطلانی، المواہب اللدنیہ، پوربندر گجرات، ۱۴۲۱ھ، جلد ۲، ص ۳۳۰

Marfat.com

۱۱۔ سورۃ القلم: ۵

۱۲۔ دیوان حسان بن ثابت الانصاری، بیروت، ۱۹۶۶ء، ص ۱۰

۱۳۔ سورہ المائدہ: ۳

۱۴۔ محمد اسماعیل ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ص ۱۵، دمشق ۱۹۹۰ء، جلد ۳

۱۵۔ خطبات مدراس، ص ۷

۱۶۔ ماہنامہ الرسالہ، نئی دہلی جون ۲۰۰۷ء، ص ۴، مدیر جناب وحید الدین خاں

۱۷۔ سورہ التوبہ: ۴۵ ۱۸۔ سورہ الاحزاب: ۷۱

۱۹۔ الصحیح للبخاری، کتاب الاحکام، باب قول اللہ اطیعوا اللہ

۲۰۔ خطبات مدراس، ص ۲۵ ۲۱۔ الرسالہ نئی دہلی، جون ۲۰۰۷ء، ص ۵

۲۲۔ سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، باب فی امارات الساعۃ

۲۳۔ الصحیح للبخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب نزول عیسیٰ علیہ السلام

۲۴۔ ماہنامہ الرسالہ، جون ۲۰۰۷ء، ص ۳

۲۵۔ گاڈفری ہگنس، اپالوجی فار محمد اردو ترجمہ، مطبوعہ بریلی ۱۸۷۳ء، ص ۶۶، ۶۷

۲۶۔ سورہ البقرہ: ۱۲۰ ۲۷۔ سورہ آل عمران: ۴۸، ۴۹

۲۸۔ عہد نامہ جدید، متی ۱۶: ۲۴ ۲۹۔ سورہ الصف: ۶

۳۰۔ عہد نامہ جدید، یوحنا ۱۲: ۷، ۶ ۳۱۔ خطبات مدراس، ص ۳۹

۳۲۔ ولیم ہارٹ، سو عظیم آدمی، اردو ترجمہ عاصم بٹ، نئی دہلی، ۲۰۰۴ء، ص ۲۵

۳۳۔ ایضاً، ۲۹

۳۴۔ سنن ترمذی، ابواب المناقب

۳۵۔ خطبات مدراس، ص ۹۲

۳۶۔ سورہ آل عمران: ۸۵

۳۷۔ حاشیہ ترجمہ محمود الحسن، سورہ آل عمران: ۸۵

۳۸۔ المواہب اللدنیۃ، جلد ۲، ص ۲۱۹

Marfat.com

راہِ نجات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان ہے

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت، سعادت اور نجات کا ذریعہ ایمان اور عمل صالح کو قرار دیا ہے۔ جو لوگ ایمان لائیں گے، عمل صالح کریں گے وہ کامیاب ہوں گے اور جو لوگ ایمان نہیں لائیں گے، برے عمل کریں گے وہ ناکام و نامراد اور سزایاب ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ شَيْئاً ؕ ١

''جو توبہ کریں اور ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں وہ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کی ذرہ برابر حق تلفی نہ ہوگی۔''

دوسری جگہ ارشاد ہے:

فَأَمَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً فَعَسَىٰ أَن يَكُونَ مِنَ الْمُفْلِحِينَ ۔ ٢

''البتہ جس نے توبہ کی اور ایمان لے آیا اور عمل صالح کیا تو عنقریب وہ فلاح پانے والوں میں سے ہوگا۔''

ایمان کا مطلب صرف ایمان باللہ نہیں بلکہ اس میں اللہ کے رسولوں پر ایمان، اللہ کی کتابوں پر ایمان، اللہ کے فرشتوں پر ایمان اور یوم آخرت پر ایمان لانا شامل ہے۔ قرآن پاک میں کہیں کہیں تو ایمان کا اجمالی تذکرہ کیا گیا ہے اور مختصراً ایمان اور عمل صالح کو ذریعہ نجات قرار دیا گیا ہے، جب کہ دوسرے مقامات پر اس ایمان کی تفصیل اور اس کے عناصر ترکیبی کی تعیین کی گئی ہے۔ خاص طور پر توحید، رسالت اور آخرت کو ایمان کے بنیادی اور لازمی اجزا کے طور پر پیش کیا گیا ہے اور ایمان کے تمام عناصر کو قبول کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

Marfat.com

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ آمِنُواْ بِاللّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي
نَزَّلَ عَلَى رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِيَ أَنزَلَ مِن قَبْلُ وَمَن يَكْفُرْ
بِاللّهِ وَمَلاَئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ
ضَلاَلاً بَعِيداً ۔[3]

''اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کی کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کی ہے اور اس کتاب پر جو اس سے پہلے وہ نازل کر چکا ہے اور جس نے اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور یوم آخرت کا انکار کیا وہ گمراہی میں بہت دور جا پڑا۔''

مذکورہ آیت میں ایمان کے جو عناصر بیان کیے گئے ہیں وہ ہر نبی کی دعوت کا بنیادی حصہ رہے ہیں اور ہر زمانہ میں ان عناصر کو تسلیم کرنا ایمانِ کامل کا تقاضا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ
بِاللّهِ وَمَلآئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لاَ نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ
وَقَالُواْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ۔[4]

''رسول اس ہدایت پر ایمان لایا ہے جو اس پر اس کے رب کی طرف سے نازل ہوئی ہے اور مومنین بھی اسی پر ایمان لائے ہیں۔ یہ سب اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ ہم اللہ کے رسولوں میں کسی کی تفریق نہیں کرتے اور ان کا کہنا ہے کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی پروردگار ہم تجھ ہی سے مغفرت طلب کرتے ہیں اور تیری ہی طرف پلٹ کر جانا ہے۔''

اسی مضمون کی آیت سورہ آل عمران آیت ۸۴ میں بھی وارد ہوئی ہے۔ ان

Marfat.com

آیات سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ صرف اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لانا مطلوب نہیں۔ بلکہ اللہ کے تمام رسولوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اس کے بغیر ایمان کا دعوی معتبر نہیں اور نجات ممکن نہیں۔ کیوں کہ رسولوں ہی کے ذریعہ اللہ اپنے بندوں تک پیغام رسانی کرتا ہے، اپنے احکام کی ترسیل کرتا ہے اور اپنی مرضی سے مطلع کرتا ہے۔ مزید یہ کہ کسی ایک رسول پر ایمان لانا کافی نہیں بلکہ تمام رسولوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص اللہ پر، یوم آخرت پر اور کسی بھی رسول پر ایمان رکھتا ہے مگر آخری رسول محمد ﷺ پر ایمان نہیں لاتا تو اس کا شمار اہلِ ایمان میں نہیں ہوگا اور یہ ایمان اس کی نجات کے لیے کافی نہ ہوگا، بلکہ وہ منکرین رسالت میں شمار ہوگا اور اس کا انجام بھی کافروں کے ساتھ ہوگا۔

یہ امت مسلمہ کا پختہ عقیدہ ہے کہ نجات کے لیے تمام رسولوں پر ایمان لانا ضروری ہے اور خاص طور پر ختم رسالت پر ایمان لانا ضروری ہے۔ یعنی سلسلہ رسالت اور ختم رسالت دونوں پر ایمان لانا نجات کے لیے لازمی ہے۔ کسی ایک رسول کا انکار کرنا گویا تمام رسولوں کا انکار کرنا ہے۔ بعض رسولوں کا اقرار کرنا اور بعض کا انکار کرنا عقیدہ رسالت سے انحراف ہے، امت مسلمہ کا یہ عقیدہ قرآن کی صاف صریح اور محکم تعلیم پر مبنی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ
وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ أُوْلٰئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ
وَأُوْلٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔۵

”اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اس کتاب پر جو تمھاری طرف نازل کی گئی ہے اور ان کتابوں پر جو تم سے پہلے نازل کی گئی ہیں اور آخرت پر وہ لوگ ایمان رکھتے ہیں وہی لوگ ہدایت پر ہیں اپنے رب کی طرف سے اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔“

دوسری آیات میں قدرے صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے:

Marfat.com

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَن يُفَرِّقُواْ بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَن يَتَّخِذُواْ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلاً أُوْلٰـئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقّاً وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَاباً مُّهِيناً وَالَّذِينَ آمَنُواْ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُواْ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ أُوْلٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أُجُورَهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوراً رَّحِيماً۔[۶]

"جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کا کفر کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانیں گے اور بعض کو نہ مانیں گے اور چاہتے ہیں کہ اس کے بیچ کا راستہ اختیار کریں وہی لوگ حقیقی کافر ہیں اور کافروں کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور جو لوگ اللہ اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں اور ان میں سے کسی کی تفریق نہیں کرتے ان کو عنقریب ان کا اجر ملے گا اور اللہ مغفرت کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔"

مذکورہ آیات میں بعض رسولوں کو ماننے والوں اور بعض کا انکار کرنے والوں کو حقیقی کافر قرار دیا گیا ہے اور ان کے لیے ذلت کے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ ان کے مقابلہ میں تمام رسولوں پر ایمان لانے والوں اور ان کے مابین کسی قسم کی تفریق و امتیاز نہ برتنے والوں کو مومن قرار دیا گیا ہے اور ان کے لیے مغفرت اور اجر آخرت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ یہی امت مسلمہ کے عقیدۂ رسالت کی بنیاد ہے۔ جو شخص حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی نبوت کا قائل ہو مگر رسالت محمدی ﷺ کا منکر ہو اس کے ایمان و عمل صالح کا دعوی معتبر نہیں اور اس کے لیے کامیابی اور نجات نہیں۔ چنانچہ مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام رازی لکھتے ہیں:

Marfat.com

"جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے جب منافقین کے طرز عمل پر کلام کیا تو یہود و نصاریٰ کے مذاہب اور ان کے تضادات پر بھی کلام کیا اور اس سورہ کے آخر میں اس قبیل کی متعدد چیزوں کا ذکر کیا ہے۔

ان کے باطل عقائد کی ایک قسم ان کا بعض انبیا پر ایمان لانا اور بعض کا انکار کرنا ہے چنانچہ فرمایا: ان الذین یکفرون باللہ ورسلہ ۔ کیوں کہ یہود موسیٰؑ اور توراۃ پر تو ایمان لائے مگر عیسیٰؑ اور انجیل کا انکار کیا اور نصاریٰ عیسیٰؑ اور انجیل پر تو ایمان لائے مگر محمد ﷺ اور قرآن کا انکار کیا اور اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان میں تفریق کی اور مکمل ایمان اور مکمل کفر کے درمیان کا راستہ اختیار کیا بعض پر ایمان اور بعض کا انکار کر کے وہ لوگ حقیقی کافر ہیں"۔ ۷

علامہ ابن کثیر کچھ اور وضاحت کے ساتھ لکھتے ہیں:

"اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ اور ان لوگوں پر عتاب فرمایا ہے جو اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اس طرح کہ وہ اللہ اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کرتے ہیں یعنی محض خواہش نفس کی پیروی، عادات اور آبا و اجداد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بعض انبیاء پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں، حالاں کہ ان کے پاس انکار کی کوئی معتبر دلیل نہیں ہے جیسا کہ یہود حضرت عیسیٰؑ اور محمد ﷺ کا انکار کرتے ہیں اور نصاریٰ دوسرے انبیاء پر تو ایمان رکھتے ہیں مگر محمد ﷺ کا انکار کرتے ہیں۔ جس نے کسی بھی رسول کا انکار کیا گویا تمام انبیاء کا انکار کیا کیوں کہ ہر اس نبی پر ایمان لانا لازم ہے جو روئے زمین پر مبعوث کیا گیا ہو"۔ ۸

تمام رسولوں پر بلا استثنا ایمان لانے کی صراحت اور معقولیت اور علماء اسلام کے مسلمہ عقیدہ کے باوجود بعض لوگ دوسری قوموں کے صالحین بالفاظ دیگر منکرین رسالت محمدیؐ کے اہل حق ہونے، نجات پانے اور اخروی کامیابی حاصل کرنے کی وکالت کرتے ہیں۔ اس فکر و خیال کے حاملین قرآن کی بعض آیات سے

Marfat.com

استدلال کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک صاحب رقم طراز ہیں:

''حاملین قرآن اسلام کو محض امت محمدیہ کے ساتھ مخصوص نہ کریں کہ اسلام اور مسلم دین براہیمی سے مروج اور مربوط ہے۔ جس طرح امت محمدیہؐ میں صالحین اور غیر صالحین ہیں اسی طرح دوسری امتوں میں بھی صالحین اور غیر صالحین دونوں طرح کے افراد پائے جاتے ہیں۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے صالحین غیر امت محمدیہ کی تعریف فرمائی ہے، چنانچہ ایک جگہ ارشاد باری ہے:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔ (البقرہ:۶۲)

یعنی یقین جانو کہ نبی عربی کو ماننے والے ہوں یا یہودی اور عیسائی ہوں یا صابی جو بھی اللہ اور روز آخر پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا، اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے اور اس کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے۔ قرآن نے یہود و نصاریٰ کے اس زعم باطل کو سختی سے رد کر دیا کہ نجات صرف یہود و نصاریٰ کے لیے ہے اور وہی اللہ کے بیٹے اور چہیتے ہیں۔ یہ گویا ایک طرح سے حاملین قرآن کو تنبیہ ہے کہ اس طرح کی روش سے انھیں پرہیز کرنا چاہیے۔ یہ بحث نزاعی اور مختلف فیہ رہی ہے کہ صالحین غیر امت محمدیہ کے لیے نجات ہے یا نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس سلسلہ میں کوئی انسان کیا فیصلہ کر سکتا ہے ''إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ'' روز قیامت اس کا فیصلہ اللہ ہی کرے گا۔ لیکن یہ نکتہ ملحوظ خاطر رہنا چاہیے کہ إِنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ''۔[9]

اسی طرح کے خیال پر مشتمل ایک کتابچہ حیدر آباد دکن سے شائع ہوا ہے جس میں آگے بڑھ کر رسالت پر ایمان لانے کو غیر ضروری قرار دیا گیا ہے اور اللہ اور یوم آخرت پر ایمان کو نجات کے لیے کافی سمجھا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ رسالت

Marfat.com

کا انکار کفر صریح ہے اور منکر رسالت صاحب ایمان نہیں ہے۔ اس کے اسلامی نام سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے۔ البتہ جو شخص محمد ﷺ کے آخری رسول ہونے کا عقیدہ رکھتا ہو پھر بھی غیر امت محمدیہ کے صالحین کی نجات کا قائل ہو اس کا یہ خیال گمراہ کن اور فتنہ انگیز ہے۔ اس کی اصلاح از حد ضروری ہے۔ ایسے لوگ یا تو یہودیوں اور عیسائیوں کے عسکری اور ثقافتی غلبہ کو دیکھ کر مرعوب ہو گئے ہیں یا قرآن کی آیات کو سمجھنے میں ان سے غلطی سرزد ہوئی ہے۔

سورہ البقرہ کی جس آیت سے استدلال کیا گیا ہے اس مضمون کی آیت سورہ المائدہ آیت ۶۹ میں بھی موجود ہے، ان آیات کا حقیقی مفہوم نہ سمجھنے کے باعث رسالت محمدی کے منکرین کو اہل حق سمجھنے کا مغالطہ پیش آیا ہے، غور کیا جائے تو یہ وحدت ادیان ہی کی ایک شکل ہے۔ جب کہ مذکورہ آیات میں مسلمانوں کے تذکرہ کے ساتھ گذشتہ اہل ایمان یعنی یہود و نصاریٰ اور صائبین کا ذکر ہے جو اپنے وقت کے رسولوں پر ایمان لائے۔ موجودہ یہود و نصاریٰ اور صائبین میں صرف وہ حضرات شامل ہیں جو گذشتہ رسولوں کے ساتھ موجودہ رسول حضرت محمد ﷺ پر ایمان لائے۔ کیوں کہ ان کی آسمانی کتابوں میں تمام رسولوں پر ایمان لانے کی دعوت موجود تھی۔ موجودہ یہود و نصاریٰ جو محمد ﷺ کی رسالت کے منکر ہیں ان کا تذکرہ اس آیت میں نہیں ہے۔ چنانچہ سورہ البقرہ کی مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ ابن کثیر نے وضاحت کی ہے:

> "نبه تعالیٰ علی ان من احسن من الامم السالفة واطاع فان له جزاء الحسنیٰ وکذلک الامر الی قیام الساعة کل من اتبع الرسول النبی الامی فله السعادة الابدیة"۔[10]
>
> اللہ نے اس بات سے آگاہ کیا ہے کہ گذشتہ امتوں میں جو لوگ ایمان لائے اور فرماں برداری کی ان کے لیے بہترین بدلہ ہے اسی طرح قیامت برپا ہونے تک جو بھی رسول و نبی امی ﷺ پر ایمان

Marfat.com

لائے گا اس کے لیے ابدی سعادت ہے۔

یہی مفسر قرآن سورہ المائدہ کی حسب ذیل آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُواْ وَالَّذِيْنَ هَادُواْ وَالصَّابِئُونَ وَالنَّصَارىٰ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وعَمِلَ صَالِحاً فَلاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ۔[۱۱]

"المقصود ان كل فرقة آمنت بالله وباليوم الآخر وهو الميعاد والجزاء يوم الدين وعملت عملا صالحا ولا يكون ذلك كذلك حتى يكون موافقا للشريعة المحمدية بعد ارسال صاحبها المبعوث الى جميع الثقلين"۔[۱۲]

مقصد یہ ہے کہ ہر وہ گروہ جو اللہ اور یوم آخرت پر جو کہ بدلہ کا مقرر وقت ہے ایمان لایا اور عمل صالح کیا اور محمد رسول اللہ ﷺ کی جن و انس کی طرف بعثت کے بعد ان کی شریعت کی موافقت کی۔ اس کے لیے کسی خوف اور غم کا موقع نہیں۔

اہم بات یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کو صرف اپنے رسولوں پر ایمان لانے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ تمام گذشتہ و آئندہ رسولوں پر ایمان لانے کی تاکید کی گئی تھی۔ لہذا وہ محض اپنے رسول پر ایمان کا دعوی کر کے مومن نہیں ہو سکتے جب تک آخری رسول پر ایمان نہ لائیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَقَدْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ وَبَعَثْنَا مِنهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْباً وَقَالَ اللّٰهُ إِنِّيْ مَعَكُمْ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَآمَنتُم بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضاً حَسَناً لَّأُكَفِّرَنَّ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَلأُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِن تَحْتِهَا الأَنْهَارُ فَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنكُمْ فَقَدْ ضَلَّ

Marfat.com

سَوَاءَ السَّبِيْلِ ۔ [۱۳]

''اللہ نے بنی اسرائیل سے پکا وعدہ لیا تھا اور ان میں بارہ نقیب مقرر کیے تھے اور اللہ نے ان سے کہا تھا کہ میں تمھارے ساتھ ہوں اگر تم نے نماز قائم کیا اور زکوٰۃ دی اور میرے رسولوں پر ایمان لائے اور ان کی مدد کی اور اللہ کو قرض حسنہ دیا تو ضرور میں تم سے تمھاری برائیاں دور کردوں گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی مگر اس کے بعد تم میں سے جس نے کفر کی روش اختیار کی وہ سیدھے راستہ سے بھٹک گیا۔''

اس آیت میں ''آمنتم برسلی'' کے ذریعہ تمام رسولوں پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے نہ کہ بعض رسولوں کو ماننے کا، اس میں آخری رسول بھی شامل ہیں۔ جب رسول کریم ﷺ مبعوث ہوئے تو سابقہ تمام شریعتیں منسوخ ہوگئیں اور یہود و نصاریٰ کو دعوت دی گئی کہ وہ رسول کریم ﷺ پر ایمان لائیں، اس طرح اپنے ایمان کی تجدید کریں اور اللہ کے حکم کی تعمیل کریں، کیوں کہ رسول کریم ﷺ کی بعثت کے بعد گذشتہ شریعتیں منسوخ ہوچکی ہیں ان کے رائج اور نافذ العمل ہونے پر اعتقاد رکھنا اور عمل کرنا گویا اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کرنا ہے، چنانچہ قرآن نے اہلِ کتاب کو صاف صاف بتلا دیا:

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيراً مِّمَّا كُنتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ۔ [۱۴]

''اے اہل کتاب تمھارے پاس ہمارا رسول آچکا ہے جو کتاب اللہ کی بہت سی باتوں کو کھول رہا ہے جن پر تم پردہ ڈالا کرتے تھے اور

Marfat.com

بہت سی باتوں سے درگذر کرتا ہے، تمھارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی آ گئی ہے اور ایک کتاب مبین، جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اس کی خوشنودی چاہنے والوں کو سلامتی کا راستہ دکھاتا ہے اور ان کو اندھیروں سے نکال کر اپنے اذن سے نور کی طرف لے جاتا ہے اور ان کو صراط مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔"

علامہ ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

"اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ اس نے محمد ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ زمین پر بسنے والے تمام انسانوں کے لیے بھیجا ہے، عرب کے لیے بھی اور عجم کے لیے بھی، ان پڑھ لوگوں کے لیے بھی اور پڑھے لکھے حضرات کے لیے بھی، ان کو کھلی دلیلوں کے ساتھ اور حق و باطل میں تفریق کرنے والی تعلیم کے ساتھ بھیجا ہے اور کہا ہے "اہل کتاب تمھارے پاس ہمارا رسول آ چکا ہے تم کتاب میں جن چیزوں کو چھپاتے ہو ان میں سے بیش تر کو ظاہر کرتا ہے اور بہت سی باتوں کو معاف کرتا ہے"۔ ۱۵

اگر یہودیوں کے لیے صرف حضرت موسیٰ کو ماننا اور عیسائیوں کے لیے صرف حضرت عیسیٰ پر یقین رکھنا نجات کے لیے کافی ہوتا اور حضرت محمد ﷺ پر ایمان لانا ضروری نہ ہوتا تو قرآن ہرگز ان کو نبی آخر الزماں پر ایمان لانے کی دعوت نہ دیتا اور نہ محمد ﷺ کو ان کے پیچھے اپنا وقت، صلاحیت اور دعوتی قوت صرف کرنے کی ضرورت پیش آتی۔ حضور نہ ان سے مباحثہ اور مباہلہ کرتے اور نہ ان سے جنگ و جدال کی کوئی ضرورت تھی۔ بلکہ ان کو بھی برحق سمجھتے اور اپنی امت کی طرح ان کو بھی جنت کی بشارت دیتے۔ اس طرح تمام مذاہب کے ماننے والے یکساں طور پر صاحب ایمان اور لائق نجات ہوتے۔ اس کے برخلاف قرآن پاک نے اہل کتاب کے لیے محمد ﷺ پر ایمان لانے کو لازم قرار دیا اور ان کے اتباع کو کامیابی کے لیے شرط قرار دیا، ارشاد ہوا:

Marfat.com

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىٕثَ وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔[١٦]

”جو لوگ اس رسول نبی امی ﷺ کا اتباع کریں جس کا ذکر انھیں اپنے یہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے، وہ انھیں نیکی کا حکم دیتا ہے اور ان کو برائی سے روکتا ہے۔ ان کے لیے پاک چیزیں حلال کرتا ہے اور ان پر ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور ان کے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے۔ اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔ لہذا جو لوگ اس پر ایمان لائیں اور اس کی حمایت اور مدد کریں اور اس روشنی کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ نازل کی گئی ہے وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔“

اس سے زیادہ صاف، صریح اور محکم بات اور کیا کہی جاسکتی ہے کہ کامیابی کے حق دار وہی یہود و نصاریٰ ہیں جو اس رسول امی ﷺ پر ایمان لائیں گے۔ ان کی مدد کریں گے اور قرآن پاک کا اتباع کریں گے۔ چنانچہ یہود و نصاری میں جن لوگوں نے رسالت محمدی ﷺ کا اقرار کیا اور ان کی دعوت کو قبول کیا انھوں نے در اصل کامیابی کا راستہ اختیار کیا اور دوہرے اجر کے مستحق قرار پائے۔ جن لوگوں نے ان کا انکار کیا اور عناد کا راستہ اختیار کیا وہ ایمان و عمل کے دعووں کے باوجود کافر ٹھہرے اور رحمت الٰہی سے محروم ہوئے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں:

”پچھلے انبیاء نے جو کچھ پیش کیا تھا وہ اب منسوخ ہو چکا۔ ان کی نبوت و صداقت پر اجمالی اعتقاد رکھنا تو ضروری ہے کیوں کہ وہ سب اسلام ہی کے

Marfat.com

داعی تھے اور ان کی تصدیق دراصل اسلام ہی کی تصدیق ہے، لیکن عملاً اطاعت اور اتباع کا تعلق اب ان سے منقطع ہو کر صرف محمد ﷺ کی تعلیم اور اسوہ حسنہ کے ساتھ وابستہ ہو گیا ہے، اس لیے کہ اول تو اصولاً کامل کے بعد ناقص کی ضرورت نہیں رہی، دوسرے انبیاء و سابقین کی تعلیم اور سیرت کے آثار تحریف و نسیان کی نذر ہو چکے ہیں جس کی وجہ سے عملاً ان کا صحیح اتباع ممکن نہیں رہا، اسی بنا پر قرآن مجید میں جہاں کہیں رسول کی اطاعت اور اتباع کا حکم دیا گیا ہے وہاں الرسول یا النبی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس سے خاص محمد ﷺ کی ذات مراد ہے، مثلاً اطیعو الله والرسول لعلکم ترحمون ۔(۳:۱۴) اور اطیعو الله واطیعو الرسول واولی الامر منکم (۴:۱۸) اور من یطع الرسول فقد اطاع الله (۴:۱۱) پھر یہی وجہ ہے کہ ان قوموں کو بھی محمد ﷺ پر ایمان لانے اور آپ ؐ کی اتباع کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو انبیاء سابقین میں سے کسی کی ماننے والی ہیں''۔ ۱۷

یہود اور نصاریٰ یہ کہتے تھے کہ حق اور ہدایت یہودیت و نصرانیت میں منحصر ہے اور اسلام ایک بدعت ہے اور محمد ﷺ جھوٹے پیغمبر ہیں اور مسلمانوں کو دعوت دیتے تھے کہ وہ اسلام کو چھوڑ کر یہودیت و نصرانیت اختیار کر لیں:

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تَهْتَدُوا قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۔ ۱۸

''یہودی کہتے ہیں کہ یہودی ہو جاؤ تو ہدایت پاؤ گے، عیسائی کہتے ہیں کہ عیسائی ہو جاؤ تو ہدایت پاؤ گے۔ کہدو کہ ابراہیمؑ کا طریقہ اختیار کرو اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔''

آج بھی یہودیوں اور عیسائیوں کا طرز عمل یہی ہے کہ وہ اسلام کو ایک غلط مذہب اور محمد ﷺ کو جھوٹا نبی سمجھتے ہیں۔ قرآن نے یہود و نصاریٰ کے دعوی ایمان کو محتاج ثبوت قرار دیا اور ایمان کا معیار محمد ﷺ کے بتلائے ہوئے طریقہ کو قرار دیا اور

Marfat.com

کہا کہ اگر مسلمانوں کی طرح ایمان لاؤ گے تو تمھارے ایمان کا اعتبار ہوگا ورنہ تمھارا دعویٰ ایمان تم کو گمراہی اور تباہی سے نہ بچا سکے گا۔ قرآن کہتا ہے:

قُولُوا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ إِلٰى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ لاَ نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا وَّإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۔ [19]

"کہو ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس ہدایت پر جو ہماری طرف نازل ہوئی ہے اور جو ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ، اور اولادِ یعقوب کی طرف نازل ہوئی تھی اور جو موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور تمام نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دی گئی تھی، ہم ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے فرماں بردار ہیں، پس اگر وہ اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو وہ ہدایت یاب ہیں اور اگر وہ اس سے منہ پھیریں تو وہ کھلی ہوئی ہٹ دھرمی پر ہیں ان کے مقابلہ میں اللہ تمھارے لیے کافی وہ سننے اور جاننے والا ہے۔"

واضح رہے کہ محمد ﷺ گذشتہ انبیاء کی طرح مخصوص قوم اور محدود زمانہ کے لیے نبی نہیں بنائے گئے بلکہ ان کی نبوت دائمی اور آفاقی تھی۔ وہ تمام قوموں اور قیامت تک کے لیے نبی بنائے گئے تھے جیسا کہ قرآن اعلان کرتا ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيراً وَنَذِيراً وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۔ [20]

"اور اے نبی! ہم نے تم کو تمام انسانوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے، مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔"

Marfat.com

تَبَارَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا۔ ۲۱

"بڑی بابرکت ہے وہ ذات جس نے الفرقان (قرآن) اپنے بندہ پر نازل کیا ہے تاکہ وہ ساری دنیا والوں کے لیے خبردار کرنے والا ہو۔"

اگر دوسری قوموں کے لیے یہ آزادی ہوتی کہ چاہے تو وہ اپنے نبی پر ایمان رکھیں اور چاہیں تو محمد ﷺ پر ایمان لائیں تو تمام انسانوں کی طرف ان کو مبعوث کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی اور تمام انسانوں سے محمد ﷺ کی رسالت کو تسلیم کرنے کا مطالبہ بھی غیر ضروری ہوتا۔ بہ قول مولانا مودودیؒ:

"جو شخص کہتا ہے کہ اسلام آجانے کے بعد بھی ادیان سابقہ کا اتباع درست ہے وہ دراصل اسلام سے دعوت عام کا حق چھیننا چاہتا ہے کیوں کہ اسلام کے سوا دوسرے طریقوں سے بھی ہدایت ممکن ہو تو تمام اقوام و ملل کو اسلام کی طرف دعوت دینا ایک فضول حرکت ہوگی"۔ ۲۲

فرض کیجیے کہ ایک مسلمان شریعت محمدیہ کو چھوڑ دیتا ہے، قرآن کی حقانیت کا انکار کرتا ہے اور عیسائیت اختیار کر لیتا ہے، وہ خدا پر، انجیل پر اور حضرت عیسیٰؑ کو مانتا ہے اور صالح بن کر رہتا ہے، امت مسلمہ آخر اسے کیوں مرتد سمجھتی ہے اور اس کے جہنمی ہونے کا عقیدہ کیوں رکھتی ہے؟ اسی لیے نا کہ اس نے آخری رسول کی رسالت اور قرآن کریم کی صداقت کا انکار کیا۔ اس انکار کے بعد ایمان کہاں رہا اور کامیابی اور نجات کی گنجائش کہاں باقی رہ گئی۔ اگر آخری رسول کے بعد بھی ان کو چھوڑ کر دوسرے نبی پر ایمان لانا نجات کے لیے کافی ہوتا تو مذکورہ شخص کو ہرگز مرتد نہ سمجھا جاتا اور نہ اس کے جہنمی ہونے کا اعتقاد درست ہوتا۔

جن لوگوں نے غیر امت محمدیہ کے صالحین کی نجات کا نظریہ اختیار کیا ہے اصلاً انھوں نے ایک گمراہ کن نظریہ پیش کیا ہے۔ یہ قرآن و سنت اور اجماع امت کے

Marfat.com

خلاف ایسا عقیدہ ہے جس کے لیے ان کے پاس کوئی معقول دلیل نہیں ہے۔ امت مسلمہ کے مسلم عقیدہ کو چیلنج کرنا اپنے آپ کو انحراف اور فکری ارتداد کی سمت لے جانا ہے۔

یہ بھی ذہن میں رہنا چاہیے کہ عمل صالح کا تعلق ایمان کامل سے ہے اگر ایمان ہی ناقص اور نا قابل اعتبار ہو تو عمل صالح کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مسلمانوں کے علاوہ دوسری قوموں میں اچھے لوگ نہیں اور بھلا کام کرنے والے نہیں ہیں۔ مقصود صرف یہ ہے کہ ان کی اچھائی اور بھلائی اپنی جگہ، اللہ کسی شکل میں ان کو بدلہ دے گا خواہ وہ دنیا ہی میں کیوں نہ دے۔ مگر ایمان اور عمل صالح کا اس پر اطلاق کرنا درست نہیں اور وہ نجات کے لیے کافی نہیں ہے۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی یست

حوالہ جات

۱۔ سورہ مریم: ۶۰
۲۔ سورہ القصص: ۶۷
۳۔ سورۃ النساء: ۱۳۶
۴۔ سورہ البقرہ: ۲۸۵
۵۔ سورہ البقرہ: ۴، ۵
۶۔ سورۃ النساء: ۱۵۰ تا ۱۵۲
۷۔ التفسیر الکبیر، دار احیاء التراث العربی، بیروت، جلد ۶، ص ۹۳
۸۔ تفسیر القرآن العظیم، دار الخیر ۱۹۹۰ء، سورۃ النساء: ۱۵۰
۹۔ ماہنامہ زندگی نو، نئی دہلی، نومبر ۲۰۰۷ء، ص ۱۱، ۱۲، اشارات
۱۰۔ تفسیر القرآن العظیم، البقرہ: ۶۲، ج ۱، ص ۱۰۹
۱۱۔ سورہ المائدہ: ۶۹

Marfat.com

۱۲۔ تفسیر القرآن العظیم، المائدہ:۶۹، ج۲، ص۹۱

۱۳۔ سورہ المائدہ:۱۲

۱۴۔ سورہ المائدہ:۱۵، ۱۶

۱۵۔ تفسیر القرآن العظیم، سورہ المائدہ:۱۶، جلد۲، ص۳۹

۱۶۔ سورہ الاعراف:۱۵۷

۱۷۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی تہذیب اور اس کے اصول ومبادی، اسلامی مکتبہ، حیدرآباد، ۱۹۵۵، ص۲۰۰

۱۸۔ سورۃ البقرہ:۱۳۵

۱۹۔ ایضاً:۱۳۶، ۱۳۷

۲۰۔ سورہ سبا:۲۸

۲۱۔ سورہ الفرقان:۱

۲۲۔ اسلامی تہذیب اور اس کے اصول ومبادی، ص۲۰۴، ۲۰۵

Marfat.com

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مغربی جارحیت

Marfat.com

ڈنمارک کے قومی اخبار میں ۲۰۰۶ء میں رسول کریم ﷺ کا کارٹون (پگڑی میں بم باندھ کر) شائع کیا گیا۔ مسلمانوں کی دل آزاری اور رسول کریم کی توہین کی خاطر اس کارٹون کو مکرر شائع کیا گیا اور اس کی تشہیر کی گئی۔ اس کارٹون کی اشاعت نے نہ صرف مسلمانوں کی دل آزاری اور توہین و تذلیل کی ہے بلکہ عالمِ اسلام کو مشتعل کرنے کی مغرب کے ذریعہ کی گئی منصوبہ بند اور ناپاک سازش کی بھی نقاب کشائی کی ہے۔ رحمۃ للعالمین، پیغمبر آخرالزماں محمد ﷺ کو انتہا پسندی اور تشدد کا پیغمبر ظاہر کرنا ایک ایسا جرم ہے جو تمام مسلمانوں کے غم وغصہ اور رنج والم میں اضافہ کرتا ہے۔ کسی بھی مذہب یا مذہبی شخصیت کو رسوا کرنے کی مہم کو اظہار رائے کی آزادی سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا، ورنہ ایک دوسرے کو گالی دینا بھی اظہار رائے کی آزادی کا مظہر سمجھا جائے گا۔ دوسروں کے جذبات و احساسات سے کھلواڑ کرنا تصادم کی صورت حال پیدا کرے گا اور اس ردعمل کو دعوت دے گا جس کا مظاہرہ پوری مسلم دنیا میں ہوا ہے۔

برطانوی مصنفہ کرن آرم اسٹرانگ نے بجا طور پر محسوس کیا ہے کہ ''کارٹون بنانے والے اور ان کی اشاعت کرنے والے جو مسلم حساسیت سے غیر متاثر ہیں وہ اپنی آزاد قدروں کا ثبوت دینے سے قاصر رہے کیونکہ آزادی گفتار کے اصول میں دوسروں کے خیالات کا احترام بھی مضمر ہے'' [۱]

ڈینش اخبار کے ہتک آمیز کارٹونوں کی دیگر مغربی ممالک کے اخبارات میں مکرر اشاعت نے مسلمانوں کے جذبات کو مزید مشتعل کردیا۔ بہت سے مقامات پر احتجاج اشتعال میں تبدیل ہوگیا۔ مغرب نہیں چاہتا کہ مسلمانوں کے دینی جذبات کو سمجھے اور اپنے رویہ میں معقولیت پیدا کرے۔ دوسری طرف خود مسلمانوں

Marfat.com

کو بھی چاہیے کہ اپنے جذبات کے اظہار میں تشدد کی راہ نہ اپنائیں ورنہ مغرب کی منصوبہ بندی کا وہ خود آلۂ کار بن جائیں گے اور ان کے مقصد کو کامیاب بنانے میں نادانستہ معاون ثابت ہوں گے۔

اسلام سے دشمنی اور پیغمبر اسلام ﷺ کی کردار کشی مغربی میڈیا میں نئی بات نہیں ہے۔ مسلمانوں کے خلاف یورپی تعصب و عناد کی تاریخ بہت پرانی ہے اور اب یہ نسل در نسل منتقل ہو رہی ہے۔ یورپینوں نے محمد ﷺ کو کبھی اس طرح اللہ کا برحق نبی نہیں مانا جس طرح وہ موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں۔ بلکہ ان حضرات نے محمد عربی ﷺ کو عیسائیت کے بدترین دشمن کے طور پر پیش کیا ہے، جن کے ساتھ نہ تو نرمی برتنی چاہیے اور نہ ان کے ساتھ شریفانہ سلوک ہونا چاہیے۔ عیسائی تہذیب و عقیدہ کی تاریخ اس رویہ کا زندہ ثبوت فراہم کرتی ہے۔ نارمن ڈینیل نے اپنی کتاب اسلام اینڈ دی ویسٹ میں لکھا ہے کہ:

"ہر ایک لاطینی مصنف نے محمد (ﷺ) کی حیات کو اس مقصد سے پیش کیا ہے کہ وہ یہ دکھا سکیں کہ محمد کی زندگی پیغمبرانہ منصب کے مطابق نہیں ہے"۔ [۲]

نارمن ڈینیل نے مسیحی دنیا کے تعصّبات اور معاندانہ تصنیفات کا جو خلاصہ پیش کیا ہے اسے پڑھ کر صرف مسلمان ہی نہیں کسی بھی شریف انسان کی غیرت جوش میں آ سکتی ہے، یہ تحریریں اتنی شرمناک ہیں کہ ان کو نقل کرتے ہوئے روح کانپ جاتی ہے۔ یہاں ایک اقتباس اس لیے نقل کیا جاتا ہے کہ حضرت رسالت مآب کے خلاف مسیحی دنیا کے غیظ و غضب کا اندازہ کیا جا سکے۔ نارمن ڈینیل نے اپنی مذکورہ کتاب میں "دی لائف آف محمد پولمک بایوگرافی" کے عنوان سے لکھا ہے:

"محمد (ﷺ) کی زندگی اسلام کے دعوی وحی و تنزیل کی تکذیب کے بنیادی ثبوت کے طور پر دیکھی گئی ہے اور اسے بالعموم تمام دعووں کے اہم تردیدی شہادت کے طور پر سمجھا گیا ہے، اس مقصد کے لیے (مسیحی) مصنفین یقین رکھتے تھے اور یہ دکھانا چاہتے تھے کہ محمد کم ذات تھے اور نئے مشرک نواب

Marfat.com

تھے، جنھوں نے اقتدار پر قبضہ جمانے کے لیے منصوبہ بندی کی اور اس کو وحی الٰہی بتا کر برقرار رکھنے کی کوشش کی، انھوں نے اسے تشدد کے ذریعہ پھیلایا نیز دوسروں کو اسی شہوت پرستی کی اجازت دے کر پھیلایا جس شہوت پرستی میں وہ خود مبتلا تھا''۔[۳]

عیسائی مصنفہ محترمہ کرن آرم اسٹرانگ کا اعتراف ہے:

''صلیبی جنگوں کے بعد مغربی دنیا کو اسلام سے جو شدید خطرہ لاحق ہوا، اس خوف نے مغرب کے عیسائیوں کے لیے یہ ناممکن بنا دیا کہ وہ مسلمانوں کے عقیدہ کے سلسلہ میں معقول اور معروضی رویہ اپنائیں۔ جن ایام میں وہ یہودیوں کے جنونی تشدد کے خوف میں مبتلا تھے انھی ایام میں وہ اسلام کی کردارکشی بھی کر رہے تھے، جو ان کے مدفون غم وغصہ کا ہی اظہار تھا۔ مغربی دانش وروں نے اسلام کو گمراہ عقیدہ قرار دے کر رد کر دیا اور اس کے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو جھوٹا نبی ثابت کیا، جس نے دنیا کو فتح کرنے کے لیے تلوار کے ذریعے تشدد پسند مذہب کی بنیاد رکھی۔ یورپی عوام کے لیے محمد ﷺ کو بھوت بنا کر پیش کیا گیا جس کا استعمال مائیں اپنے نافرمان بچوں کو ڈرانے کے لیے کرنے لگیں''۔[۴]

یورپی دانش وروں کا اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف یہ معاندانہ رویہ جس کا اعتراف برطانوی مصنفہ نے برملا کیا ہے اس کی پیشین گوئی رسول اللہ ﷺ کی احادیث اور خود قرآن کریم میں بھی موجود ہے۔ چنانچہ اہلِ ایمان کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کہتا ہے:

لَتُبۡلَوُنَّ فِیۡۤ اَمۡوَالِکُمۡ وَ اَنۡفُسِکُمۡ وَ لَتَسۡمَعُنَّ مِنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ وَ مِنَ الَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡۤا اَذًی کَثِیۡرًا ؕ وَ اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَ تَتَّقُوۡا فَاِنَّ ذٰلِکَ مِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ۔[۵]

''تمھیں مال اور جان دونوں کی آزمائش پیش آکر رہے گی اور تم

اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) اور مشرکین سے بہت سی تکلیف دہ
باتیں سنو گے، ان حالات میں اگر تم صبر اور خدا ترسی کی روش پر
قائم رہو گے تو یہ بڑے حوصلہ کا کام ہے''۔

اہل مغرب اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان کی توہین آمیز اور اشتعال انگیز کوشش کے باوجود مسلمانوں نے جواب میں کبھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کی کوشش نہیں کی اور نہ ان کے روحانی مقام کو چیلنج کیا۔ چودہ صدیوں کی اسلامی تاریخ مین شاید کوئی واقعہ ایسا رونما نہیں ہوا کہ مسلمانوں نے مغرب کی دل آزاری سے مجبور ہو کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حرمت پر جوابی حملہ کیا ہو، یا ان کے متعلق وہی لکھا ہو جو عیسائیوں نے محمد ﷺ کے بارے میں لکھا ہے۔ بلکہ ہمیشہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عزت واحترام کے اعلیٰ مقام پر رکھا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ محمد ﷺ نے مسلمانوں کو دوسرے مذاہب کے بزرگوں کی تعظیم و تکریم کی تعلیم دی ہے اور قرآن نے دوسرے مذاہب کے رہنماؤں کو برا بھلا کہنے سے سختی سے روکا ہے۔ یعنی جس جہالت کا وہ لوگ ارتکاب کرتے ہیں مسلمان اسی میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ ارشاد ہے:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا
بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ۔ [6]

''جو لوگ اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کو پکارتے ہیں انہیں
گالیاں نہ دو، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ دشمنی اور نادانی میں اللہ کو
گالیاں دیں۔ ہم نے اسی طرح ہر گروہ کے لیے اس کے عمل کو
خوش نما بنا دیا ہے''۔

دوسری اہم وجہ یہ ہے کہ اسلام کے بنیادی عقائد میں دوسرے انبیا کا احترام کرنا شامل ہے۔ لہذا مسلمان جس عقیدت سے آخری نبی محمد ﷺ کا احترام کرتے ہیں اسی عقیدت کے ساتھ حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام اور دیگر انبیا

Marfat.com

کا احترام کرتے ہیں۔قرآن کریم نے ان انبیاء میں کسی طرح کی تفریق نہ کرنے کی تعلیم دیتے ہوئے کہا ہے:

آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ۔ ۷

"رسول ﷺ اس ہدایت پر ایمان لایا ہے جو اس کے رب نے اس پر نازل کیا ہے اور جو لوگ اس رسول ﷺ کے ماننے والے ہیں انھوں نے بھی اس کو دل سے قبول کرلیا ہے۔ یہ سب اللہ اور اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے سارے رسولوں کو مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے رسولوں میں کوئی تفریق نہیں کرتے۔ہم نے اللہ کا حکم سنا اور اطاعت کی، تیری مغفرت چاہتے ہیں اے ہمارے رب اور تیری ہی طرف پلٹ کر جانا ہے"۔

محمد ﷺ نے خود بھی حضرت عیسیٰؑ کی تکریم اور تصدیق و توثیق کی ہے۔ان کو اپنا بھائی، اپنا پیش رو اور اللہ کا برحق پیغمبر قرار دیا ہے۔علاوہ ازیں قرآن پاک میں ایک مکمل سورہ حضرت عیسیٰؑ کی والدہ حضرت مریمؑ کے نام سے موسوم ہے۔محمد عربی ﷺ نے حضرت عیسیٰؑ کا اپنی طرح حضرت ابراہیمؑ سے سلسلہ ثابت کیا ہے اور ایک ہی دین کا سب کو حامل قرار دیا ہے۔صرف شریعت جدا رہی ہے۔قرآن میں ہے:

شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ۔ ۸

"اللہ نے تمہارے لیے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوحؑ کو دیا تھا اور جسے (اے محمدؐ) اب تمہاری طرف ہم نے

Marfat.com

وحی کے ذریعہ سے بھیجا ہے اور جس کی ہدایت ہم ابراہیمؑ اور موسیٰؑ
اور عیسیٰؑ کو دے چکے ہیں اس تاکید کے ساتھ کہ اس دین کو قائم کرو
اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ''۔

یہ انتہائی افسوس ناک بلکہ شرم ناک بات ہے کہ ایک ایسے شریف، وسیع القلب، متحمل، مہربان اور رحمت مجسم نبی کو بدنام کیا جائے اور ان کی کردار کشی کی جائے۔ حالاں کہ اس نبی کی امتیازی خصوصیت ہی صبر و تحمل اور عفو و در گزر رہے۔ اللہ تعالیٰ نے آخری نبی ﷺ کی اس خصوصیت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ
لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۔[9]

''اے محمد ﷺ یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے نرم مزاج واقع ہوئے ہو ورنہ تم کہیں تند خو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمھارے گرد و پیش سے چھٹ جاتے۔ ان کے قصور معاف کرو اور ان کے حق میں دعائے مغفرت کرو''۔

رسول اللہ ﷺ کے صبر و تحمل اور کریمانہ مزاج ہی کا تو اثر تھا کہ آپؐ نے پوری زندگی میں اپنے اوپر کیے گئے مظالم کا کبھی بدلہ نہیں لیا۔ حضرت عائشہؓ گواہی دیتی ہیں کہ ما انتقم رسول الله ﷺ لنفسه۔[10] رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذات کے لیے کبھی کسی سے بدلہ نہیں لیا۔ کافروں نے آپ کو گالیاں دیں، اذیت پہنچائی، قتل کی سازش کی مگر جب آپؐ نے ان پر قابو پالیا تو ان سب سے بدلہ لینے کے بجائے ان کو فراخ دلی سے معاف کر دیا۔ فتح مکہ آپؐ کے رحیمانہ سلوک کی زندہ مثال ہے۔

ایک مرتبہ رسول پاک ایک درخت کے نیچے آرام کر رہے تھے۔ ایک کافر آیا اور تلوار سونت کر بولا، اے محمدؐ! بتاؤ میری تلوار سے تم کو کون بچائے گا؟ رسول پاک نے اطمینان سے جواب دیا اللہ! یہ سن کر کافر کانپ اٹھا، تلوار اس کے ہاتھ سے

Marfat.com

گر پڑی، رسول پاک نے تلوار اٹھالی اور پوچھا اب بتاؤ میرے ہاتھ سے تم کو کون بچائے گا؟ اس نے عاجزی سے کہا آپ بھلے انسان ہیں۔ آپ نے اسے معاف کردیا اور شریفانہ زندگی گزارنے کی تعلیم دی۔ وہ شخص آپ کا مدح خواں بن گیا اور واپس جب اپنے قبیلہ میں گیا تو لوگوں سے کہا "جئتکم من عند خیر الناس" [۱۱] میں تمہارے پاس بہترین انسان سے مل کر آیا ہوں۔

کچھ یہودی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام کرنے کے بجائے "سام" کا لفظ استعمال کیا جس کے معنی موت کے ہیں۔ یعنی "آپ مرجائیں" حضرت عائشہؓ نے یہ سن کر ان کو لعنت وملامت کی تو نبی پاک نے ان کو روک دیا اور فرمایا اللہ حد سے تجاوز کرنے کو پسند نہیں کرتا۔ [۱۲]

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ چل رہا تھا، اس وقت آپ کھردری قسم کی نجرانی چادر اوڑھے ہوئے تھے ایک دیہاتی آیا اور اس نے چادر پکڑ کر اس زور سے کھینچا کہ رسول پاک کی گردن میں خراش آگیا، پھر وہ بولا اے محمدؐ! اللہ تعالیٰ کا جو مال آپ کے پاس ہے اس میں سے مجھے عطا کرنے کا حکم دیجیے، نبی ﷺ نے اسے دیکھا اور مسکرادیے پھر اسے مال دیے جانے کا حکم دیا۔ [۱۳] ابوداؤد کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ چادر کھینچنے کے ساتھ اس نے یہ بھی کہا میرے دو اونٹ مال سے بھر دیجیے اور یہ مال نہ آپ کا ہے اور نہ آپ کے باپ کا، رسول اللہ ﷺ نے اس کے ایک اونٹ پر کھجور اور دوسرے اونٹ پر جولادیا۔ [۱۴]

مدینہ کے منافقین نے رسول اللہ ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہؓ پر الزام تراشی کی۔ الزام لگانے والوں میں مسطح بھی تھے جو حضرت ابوبکرؓ کے رشتہ دار تھے اور حضرت ابوبکرؓ ان کی معاشی کفالت کرتے تھے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ مسطح اس گھناونی حرکت میں شریک ہیں تو ارادہ کرلیا کہ آئندہ ان کی مدد نہیں کریں گے۔ رسول پاک ﷺ نے ایسا کرنے سے روک دیا اور قرآن کی یہ آیت سنائی:

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي

Marfat.com

الْقُرْبٰى وَالْمَسَاكِيْنَ وَالْمُهَاجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّوْنَ أَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ ۱۵

''تم میں سے جو لوگ صاحب فضل اور صاحب قدرت ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھا بیٹھیں کہ اپنے رشتہ دار، مسکین اور مہاجر فی سبیل اللہ لوگوں کی مدد نہیں کریں گے، انہیں چاہیے کہ معاف کر دیں اور درگزر سے کام لیں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں معاف کرے اور اللہ معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے''۔

رسول پاک ﷺ نے اپنی امت کو یہ تعلیم دی ہے:

صل من قطعک، وآت من حرمک واعرض عن من ظلمک ۱۶

''جو تم سے کٹ جائے تم اس سے جڑ جاؤ، جو تم کو منع کرے تم اس کو عطا کرو اور جو تم پر ظلم کرے تم اس سے درگذر کرو''۔ ۱۶

یہ تعلیم اور یہ سیرت، کیا اس کی مثال کسی دوسری تہذیب میں مل سکتی ہے؟ بڑے سے بڑا مصلح و مفکر انسان بھی شرافت کی اس بلندی تک نہیں پہنچ سکتا۔ یہ سیرت ایسے معاشرہ میں روشن ہوئی جہاں انسان فخر سے کہتا تھا کہ: ''میرے ساتھ کوئی جہالت نہ کرے، ورنہ میں تمام جاہلوں سے بڑھ کر جہالت کا مظاہرہ کروں گا''۔

جہالت اور تشدد کی اس تاریکی کو محمد ﷺ نے جس صبر و تحمل اور اخلاق کریمانہ سے دور کیا تھا وہ تمام انسانوں کے لیے بالخصوص تمام مسلمانوں کے لیے نمونہ ہے۔ اس نمونہ پر دنیا کی تعمیر کرنے کی ضرورت ہے:

کسی نے گالی جو آپؐ کو دی دعا کی سوغات اس کو بخشی
جفا کے ماتھے پہ تھا پسینہ جب آپ کوئے وفا سے نکلے

Marfat.com

حوالہ جات

۱۔ The Hindu, New Delhi, July 24, 2007

۲۔ Norman Denial, Islam and the West, Making an image, the Edinburg University press, 1960. P-68

۳۔ ایضاً، ص ۷۸

۴۔ Muhammad A Western Attempt to Understand Islam, London, 1991, p-11

۵۔ القرآن الکریم، سورہ آل عمران: ۱۸۶

۶۔ سورہ الانعام: ۱۰۸

۷۔ سورہ البقرہ: ۲۸۵

۸۔ سورہ الشوریٰ: ۱۳

۹۔ سورہ آل عمران: ۱۵۹

۱۰۔ الصحیح للبخاری، کتاب المناقب، باب صفۃ النبی ﷺ

۱۱۔ احمد بن حنبل، المسند، جلد ۳، ص ۹۰

۱۲۔ الصحیح لمسلم، باب النھی عن ابتداء اھل الکتاب بالسلام وکیف یرد علیھم

۱۳۔ الصحیح لمسلم، باب اعطاء المولفۃ ومن یخاف علی ایمانہ واحتمال بجفاء لجھلہ

۱۴۔ ابوداود، السنن، کتاب الادب

۱۵۔ سورہ النور: ۲۲

۱۶۔ مسند احمد، جلد ۴، ص ۱۴۸

Marfat.com

مصطفیٰ نایاب ارزاں بولہب

Marfat.com

شاتم رسول صلی اللہ علیہ وسلم رسوائے زمانہ سلمان رشدی کو برطانوی حکومت نے جون ۲۰۰۷ء میں نائٹ ہڈ (Knight Hood) کا اعزاز دیا ہے۔ اس اعزاز کے ساتھ سر کا خطاب جڑا ہوا ہے۔ یہ خطاب ملکۂ برطانیہ اپنی سالگرہ کے موقع پر کسی اعلیٰ کارکردگی کے حامل فنکار یا دانشور کو عطا کرتی ہیں۔

کسی زمانہ میں یہ خطاب عیسائیت کی تعلیم و تبلیغ، نیزہ بازی، شمشیرزنی، گھوڑ سواری اور جنگی تربیت، کمزوروں کی حفاظت، چرچ کی خدمت اور بہادری کے لیے لارڈ کی طرف سے عیسائی نوجوانوں کو دیا جاتا تھا۔ بعد میں اس اعزاز کے لیے عیسائیت کی تخصیص ختم ہوگئی اور غیر مسیحی دنیا کو بھی اس اعزاز سے نوازا جانے لگا۔ مسلمانوں میں جن لوگوں کو یہ اعزاز ملا ہے ان میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے بانی سر سید احمد خان اور شاعر مشرق علامہ اقبال شامل ہیں۔ برمنگھم کے ڈاکٹر نسیم جیسے جرأت مند مسلمان بھی ہیں کہ جب ان کو یہ اعزاز دیا گیا تو انہوں نے یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ اس اعزاز سے برطانوی استعمار کے مظالم کی یادیں وابستہ ہیں۔ یہ اعزاز بظاہر اعتراف و احترام سے عبارت ہے۔

انگلستان میں نائٹ ہڈ کا جو سلسلہ شروع کیا گیا وہ بظاہر اس تاریخی انجمن کی صدائے بازگشت ہے جس کا قیام مکہ میں عبداللہ بن جدعان کے گھر پر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریک پر عمل میں آیا تھا۔ اس انجمن میں بنو ہاشم و عبدالمطلب، بنو اسد، بنو زہرہ اور بنو تمیم وغیرہ شامل تھے۔ اس انجمن کے ممبران مندرجہ ذیل عہد و اقرار کیا کرتے تھے:

(۱) ہم ملک سے بے امنی دور کریں گے۔

(۲) ہم مسافروں کی حفاظت کریں گے۔

Marfat.com

(۳) ہم غریبوں کی امداد کرتے رہیں گے۔

(۴) ہم طاقت ور کو کم زوروں پر ظلم کرنے سے روکا کریں گے۔ ؎

اس وقت دنیا میں ایک سے ایک ادیب، فن کار، ماہر تعلیم، سائنس داں، سماجی خدمت گار، ماہر اقتصادیات، سیاست داں، ڈاکٹر اور فلاسفر موجود ہیں۔ مگر ان میں سے کسی کو ''نائٹ ہڈ'' کے اعزاز کے قابل نہیں سمجھا گیا۔ نگاہِ انتخاب اٹھی تو سلمان رشدی کی طرف۔ آخر ایسا کیوں؟

برطانوی حکومت نے اپنے اس اقدام کا جواز یہ بیان کیا ہے کہ سلمان رشدی کی ناول نگاری اور اس کی زبان و بیان کے اعتراف میں یہ اعزاز دیا گیا ہے۔ مگر عالم اسلام اسے مسلمانوں کی دل آزاری، توہین وتذلیل، جراحت اور ان کے زخموں پر نمک پاشی کے مرادف سمجھتا ہے۔ کیوں کہ اس اعزاز سے ایسے شخص کو نوازا گیا ہے جس نے پیغمبر آخر الزماں محمد ﷺ کی شخصیت پر رکیک حملہ کر کے ساری دنیا کے مسلمانوں کو مشتعل اور مجروح کیا ہے۔

۱۹۸۸ء میں جب اس نام نہاد مسلم نژاد نے شیطانی آیات لکھی تو مسلم دنیا میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔ عالم اسلام کا کوئی دل ایسا نہ تھا جو دکھا نہ ہو، کوئی شہر ایسا نہ تھا جہاں احتجاج نہ ہوا ہو اور کوئی ملک نہ بچا تھا جہاں سروں کی فصل لے کر مسلمان سڑکوں پر نہ نکلے ہوں۔ مسلمانوں کے جذبات اتنے مجروح تھے کہ انھوں نے گولیاں کھانے کے باوجود اپنا احتجاج جاری رکھا۔

سلمان رشدی نے ناول نگاری کی آڑ میں جس دریدہ ذہنی کے ساتھ رحمۃ للعالمین حضرت محمد ﷺ کی شخصیت پر کیچڑ اچھالا تھا، ان کے کردار کو مسخ کر کے، ان کی سیرت کو داغ دار کرنے کی کوشش کی تھی، وہ کلمۂ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کرنے والے مسلمان کے لیے ناقابل برداشت اذیت تھی۔ سلمان رشدی نے اپنے اس عمل سے نہ صرف اپنے مرتد اور دشمن رسول ہونے کا اعتراف کیا تھا، بلکہ مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو بھڑکا کر عالم اسلام کے خلاف جنگ کا اعلان کیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ایران کے مذہبی رہنما آیت اللہ خمینی نے رشدی کے قتل کا فتویٰ

Marfat.com

صادر کیا اور اس کی گردن زدنی پر انعام مقرر کیا تھا۔ کم وبیش دنیا کے سارے مسلمانوں نے شاتم رسول اور مرتدِ اسلام کی اس سزا کی توثیق کی تھی۔

ہونا یہ چاہیے تھا کہ مغرب ان اربوں کھربوں مسلمانوں کے جذبات کو پڑھنے، ان کی اذیت کو سمجھنے، ان کے مطالبات کے وزن کو محسوس کرنے کی کوشش کرتا۔ اس کے برخلاف مغرب نے رشدی کی غیر مشروط حمایت کی، اسے اپنی انا کا مسئلہ بنایا، اس کو ہیرو بنایا، سر پر بٹھایا اور مسلمانوں کو الٹا تنگ نظر، دہشت گرد گردانا۔ موت کے خوف سے رشدی روپوش ہو گیا اور زیر زمین چلا گیا تو برطانوی حکومت نے اس کی رہائش اور حفاظت پر دریا دلی کا مظاہرہ کیا، اس کی ہر ممکن راحت رسانی کی اور شاہی مہمان کی طرح رکھا۔

بھارت کے شہر ممبئی میں ۱۹۴۷ء میں مسلم گھرانے میں پیدا ہونے والے رشدی نے کیمبرج میں تعلیم حاصل کی، ناول نگاری کو پیشہ بنایا، دولت کے لالچ میں مغربی آقاؤں کے اشارہ پر شیطانی آیات لکھنے کا ارتکاب کیا۔ اگر اس نے اپنی فطرت، عقل اور ضمیر سے کام لیا ہوتا تو وہ ہرگز اس لعنت میں گرفتار نہ ہوتا۔ مگر مسیحی آقاؤں کی خواہش کی تکمیل میں اس نے دیانت اور شرافت کی ساری حدیں پار کر لیں۔

علامہ اقبال نے ایسے ہی مغرب گزیدہ لوگوں کے لیے کہا ہے:

در عجم گردیدم و ہم در عرب — مصطفیٰ نایاب و ارزاں بولہب
ایں مسلماں زادہ روشن دماغ — ظلمت آباد ضمیرش بے چراغ
ایں غلام ابن غلام ابن غلام — حریت اندیشہ او را حرام

”میں نے عجم کی بھی سیاحت کی ہے اور عرب کی بھی، مصطفیٰ کے کردار کے لوگ نایاب ہیں اور ابولہب ہر جگہ موجود ہیں۔ یہ مسلمان زادہ روشن دماغ اس کے ضمیر کی اندھیر نگری چراغ سے محروم ہے۔ یہ غلام ابن غلام ہے۔ اس پر آزادی کی سوچ حرام ہے۔“

سلمان رشدی اگر ایسی ہی دل آزار کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت کے بارے میں لکھتا اور اسی طرح ان کی کردار کشی کرتا تو مغربی دنیا اسے برداشت نہ

Marfat.com

کرتی اور نہ اسے جینے کا حق دیتی۔ رشدی دنیا کے کسی گوشے میں چھپ کر نہیں رہ سکتا تھا۔ ہر جگہ مغرب کے میزائل اس کا تعاقب کرتے اور اسے صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جاتا۔ کیوں کہ برطانیہ میں Blasphemy یعنی مقدس ہستیوں کی توہین پر تعزیر کا قانون موجود ہے۔ اگر کسی نے چرچ یا عیسائیوں کی مقدس ہستیوں کی توہین کی تو اس قانون کی رو سے اسے سزا دی جائے گی مگر یہ قانون صرف عیسائی عقیدہ کی حفاظت کے لیے ہے، دوسرے مذاہب کے لیے نہیں۔

دوسرے مذاہب کے پیغمبروں اور مقدس ہستیوں کو گالیاں دی جائیں، ان کی توہین کی جائے اور ان کی کردار کشی کی جائے تو اسے کوئی سزا نہیں دی جائے گی، بلکہ اسے فکر اور قلم کی آزادی کہا جائے گا، اور اس کو انعام و اکرام سے نوازا جائے گا۔ یہ تضاد مغربی دنیا کا مزاج اور خمیر بن چکا ہے۔ اس کے باوجود مہذب اور شائستہ قوم کہلانے کا دعویٰ ہے۔ مغربی دنیا اپنی تنگ نظری، انتہا پسندی اور تشدد پسندی پر پردہ ڈالنے کے لیے مسلمانوں کو تنگ نظر، انتہا پسند، غیر مہذب اور تشدد پسند ہونے کا الزام دیتی ہے۔ اسے یہ شکایت ہے کہ قرآن و حدیث میں یہود و نصاریٰ کو نا قابل اعتبار ٹھہرایا گیا ہے اور اس میں ان کی توہین و تذلیل کی آیات موجود ہیں۔ مسلمانوں کے نصاب و نظام تعلیم میں یہود و نصاریٰ کے خلاف نفرت اور حقارت کا مواد پڑھایا جاتا ہے۔

مسلم علماء مسجد کے ممبروں سے اپنے خطبوں میں یہود و نصاریٰ پر تنقید کرتے ہیں اور جہاد کی تبلیغ کرتے ہیں۔ مسلمان ان کے ساتھ عدم رواداری کا رویہ اپنائے ہوئے ہیں۔ اس سے تشدد کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ مغربی دنیا نے عالم اسلام کو بالعموم اور عالم عرب کو بالخصوص اس بات پر مجبور یا آمادہ کر لیا ہے کہ وہ اپنے نصاب تعلیم میں تبدیلی لائیں۔ چنانچہ عرب ممالک میں نصاب تعلیم سے ایسے مواد کو خارج کر دیا گیا ہے جہاں یہود و نصاریٰ پر زد پڑتی ہو۔ ائمہ اور خطبا کو جمعہ کے خطبوں اور دیگر مواعظ میں یہود و نصاریٰ پر برملا تنقید کرنے سے گریز کرنے کو کہا گیا ہے۔ اگر ان حضرات کا بس چلے تو قرآن و احادیث سے ان آیات اور مقامات کو خارج کر دیں

Marfat.com

جہاں یہود و نصاریٰ کا ابطال کیا گیا ہے۔

ایک طرف تو مسلمانوں سے مغربی دنیا یہ توقع رکھتی ہے کہ وہ ان کے جذبات و احساسات کو ٹھیس پہنچانے سے گریز کریں اور ان کے خلاف ممبر و محراب پر زبان کھولتے ہوئے محتاط طریقہ اختیار کریں۔ دوسری طرف مغربی دنیا مسلمانوں کی توہین و تذلیل کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی۔ ان کو تکلیف پہنچانے اور مشتعل کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتی ہے۔ تہذیبی جارحیت اور دہشت پسندی اس کے علاوہ اور کیا ہے؟ ع سنگ و خشت مقید ہیں اور سگ آزاد۔

مسلمان یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ سلمان رشدی کو حضرت محمد ﷺ کو گالیاں دینے اور ان کی کردار کشی کرنے کی وجہ سے انعام و اعزاز سے کیوں نوازا گیا اور عالم اسلام میں اضطراب، احتجاج اور اس اعزاز کو واپس لینے کے پرزور مطالبات کے باوجود برطانوی حکومت اپنے اقدام پر نظر ثانی کیوں نہیں کر رہی ہے۔

دراصل رشدی نے حضرت ختمی مرتبت رسالتمآب پر دشنام طرازی کر کے مسیحی دنیا کی زبردست خدمت کی ہے۔ مسیحی دنیا نے اسلام، قرآن اور حضرت محمد ﷺ کے خلاف معاندانہ اور متعصبانہ تحریروں اور دشنام طرازی کا جو ورثہ چھوڑا ہے، سلمان رشدی نے اسی کو آگے بڑھایا ہے۔ پہلے یہ کام خود عیسائی پادری اور دانشور، قلمکار اور صحافی کیا کرتے تھے۔ اب ان کو ایسے غلام کی بھی ضرورت ہے جو مسلم گھرانہ میں پیدا ہوا ہو۔ نام مسلمانوں جیسا ہو اور ضمیر اور قلم کا سودا کر سکتا ہو تاکہ مسلم دنیا کو یہ بتایا جا سکے کہ تمہارے پیغمبر کو صرف ہم ہی جھوٹا نہیں کہتے بلکہ تمہارے قلمکار بھی کہتے ہیں۔

نارمن ڈینیل نے ۱۹۶۰ء کی دہائی میں ''اسلام اینڈ دی ویسٹ'' نامی کتاب لکھی تھی۔ اس کتاب میں اسلام، قرآن، پیغمبر اسلام کے بارے میں مسیحی دنیا کے مناظرانہ اور معاندانہ رویہ کا تفصیلی ذکر کیا ہے، جس میں نفرت و حقارت کے جذبات موجزن ہیں۔ نارمن ڈینیل خود مشہور مستشرق مگمری واٹ کا شاگرد تھا۔ اس نے حضرت رسالتمآب کو جھوٹا نبی ثابت کرنے کے لیے تاریخ، جغرافیہ، عقل و دانش اور مسیحی روایات کا نام لیا۔

Marfat.com

ڈینیل نے مسیحی دشنام طرازی کے جو نمونے اپنی تھیسس کے ثبوت میں پیش کیے ہیں، ان کو پڑھتے ہوئے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور انسان خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے۔ ڈینیل نے پیٹر آف پوئیٹرس کے حوالے سے لکھا ہے:

''محمد ﷺ پیغمبر ہرگز نہیں ہو سکتے، کیوں کہ وہ ڈاکو تھے، قاتل تھے، دھوکہ باز تھے اور زانی تھے۔ (نعوذ باللہ) پیٹر نے محمد ﷺ کی شیطانی زندگی کی بنیاد پر رسالت کے لیے ان کو نااہل ثابت کرنے کے لیے دو زائد نکات کا اضافہ کیا ہے۔ ایک قرآن کی شرمناک اور متضاد تعلیمات، دوسرے قرآن کی تصدیق و توثیق معجزات کے ذریعہ نہ ہونا۔''[۲]

یہ نمونہ ہے مسیحی دنیا کی تہذیب و شائستگی، شرافت اور رواداری کا۔ کیا اس سے بھی زیادہ گندی اور بھونڈی گالیاں کسی مذہبی رہنما کو دی جاسکتی ہیں۔ یہی دشنام طرازی اگر حضرت عیسیٰ اور مسیحی سینٹ وغیرہ کے سلسلے میں کی جائے تو مغربی دنیا میں غیظ و غضب کا لاوا پھٹ پڑے گا اور صلیبی جنگ چھیڑ دی جائے گی۔

ستمبر ۲۰۰۶ء میں سولہویں پاپ بینڈکٹ نے جرمنی کی ایک درس گاہ میں خطاب کرتے ہوئے محمد ﷺ کی شخصیت پر حملہ کیا۔ انہوں نے چودہویں صدی کے عیسائی حکمراں شاہ مینویل دوم کے حوالہ سے کہا:

''مجھے دکھاؤ کہ محمد ﷺ جو کچھ لائے تھے اس میں کیا چیز نئی تھی۔ اس میں صرف شیطانی اور غیر انسانی امور ملیں گے۔ جیسے ان کا یہ فرمان کہ جس عقیدہ کی وہ تبلیغ کرتے ہیں اسے تلوار کے ذریعہ پھیلایا جائے۔''

سلمان رشدی نے شیطانی آیات لکھ کر کوئی نیا کام نہیں کیا بلکہ محمد ﷺ کی کردار کشی اور ان پر دشنام طرازی کی مسیحی روایت کو افسانوی انداز اور نئے لب و لہجہ میں جسارت اور جراحت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ عیسائی پادریوں اور قلم کاروں کی تحریروں نے مسلم دنیا میں رنج و غم اور احتجاج کا وہ طوفان برپا نہیں کیا، جو رشدی کی شیطانی آیات نے کیا۔ یعنی اشتعال انگیزی کا جو کام رشدی نے کیا وہ مغربی مصنفین سے نہ ہو سکا۔ مغربی دنیا کی اس عظیم تاریخی خدمت پر اگر برطانوی حکومت نے اسے

Marfat.com

نائٹ ہڈ کے اعزاز اور سر کے خطاب سے نوازا ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اس خدمت پر اگر برطانیہ کے پاس اس سے بھی بڑا کوئی اعزاز ہوتا تو بلا تکلف اسے پیش کیا جا سکتا تھا۔ یہ زباں کسی نے خرید لی یہ قلم کسی کا غلام ہے۔

حضرت رسالت مآب کی کردار کشی کے پیچھے ایک بڑا محرک مغربی دنیا میں اسلام کی روز افزوں اشاعت بھی ہے۔ مغربی دنیا عیسائیت کی تبلیغ و اشاعت پر جتنا زر اور زور صرف کر رہی ہے۔ یوروپی حکومتیں جس طرح عیسائی مشنریز کی حمایت اور امداد کر رہی ہیں، وہ اپنے آپ میں بے مثال ہے۔ اس کے باوجود عیسائیت چرچ کو ویرانی سے بچانے میں ناکام ہے اور بائبل اور کلیسا کی تعلیمات کو نوجوان دلوں میں رائج کرنے سے قاصر نظر آتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں یورپ اور امریکہ میں اسلام کی بڑھتی ہوئی اشاعت خاص طور پر مغربی خواتین کا قبول اسلام، چرچ کا فروخت ہو کر مسجدوں میں تبدیل ہونا، قرآن اور اسلامی کتابوں کی بڑھتی ہوئی مقبولیت نے اہل مغرب کو خوف کی نفسیات میں مبتلا کر دیا ہے۔ وہ اسلام کی اشاعت کو مغربی تہذیب کے لیے ایک سنگین خطرہ کے طور پر دیکھ رہے ہیں۔ اس لیے اسلام اور پیغمبر اسلام کی تصویر مسخ کر کے اس سیلاب کے خلاف بند باندھنے کی منفی کوششوں میں مصروف ہیں۔ چنانچہ پاپ بینی ڈکٹ کے ذاتی سکریٹری جارج گائزوین نے جرمنی کے ایک اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے پاپ کے مذکورہ متنازعہ بیان کو جو رسول اکرم کی کردار کشی پر مبنی تھا نعوذ باللہ پیغمبرانہ پیش گوئی سے تعبیر کیا اور کہا کہ ”ہم مغرب میں اسلام کی اشاعت کی کوشش سے انکار نہیں کر سکتے اور ہمیں اس سلسلہ میں بہت زیادہ مفاہمت کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔ یورپ کے تشخص اور شناخت کو درپیش خطرے کے سامنے آنکھیں نہیں بند کر لینی چاہیے“ [۳]

يُرِيدُونَ أَن يُطْفِؤُواْ نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلاَّ أَن يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۔ [۴]

”وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کی روشنی کو اپنے منہ سے بجھا دیں حالانکہ اللہ اپنی روشنی پوری کر کے رہے گا اگرچہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔“

Marfat.com

طرفہ تماشا یہ ہے کہ ڈینش اخبار میں محمد ﷺ کی توہین آمیز کارٹون کی اشاعت کے خلاف برطانیہ کے جن مسلمانوں نے احتجاج کیا تھا، ان میں سے چار نوجوانوں کو بائیس سال کی مجموعی سزائے قید برطانوی حکومت نے حال ہی میں دی ہے۔ان پر الزام لگایا گیا ہے کہ انہوں نے احتجاج کے دوران نفرت کا بیج بویا تھا۔

ایک طرف شاتم رسول کو اعزاز و خطاب سے نوازنا، دوسری طرف ناموس رسالت کی توہین کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے والے مسلم نوجوانوں کو قید کی سزا دینا، برطانوی حکومت کا وہ کارنامہ ہے، جسے مسلم دنیا شاید کبھی بھلا نہ پائے گی۔ مغربی دنیا کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ مسلمان سب کچھ برداشت کرسکتا ہے مگر قرآن اور حامل قرآن ﷺ کے خلاف گستاخی کو برداشت نہیں کرسکتا۔وہ ناموس رسالت کی حفاظت کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار ہے۔کیوں کہ محمد ﷺ صرف ایک محترم انسانی شخصیت ہی نہیں بلکہ آخری رسول ہیں ۔وہ مسلمانوں کے مذہبی وجود کا حوالہ اور ان کی تہذیبی انفرادیت کی علامت ہیں۔ان کی قومی زندگی کی پہچان اور وحدت اسلامی کی جان ہیں۔مسلمانوں کے عقیدہ وعمل کا معیار اور ان کے نظام زندگی کا اعتبار انہی کی شخصیت اور سیرت ہے۔محمد ﷺ کی زندگی کا ہر اسوہ مسلمانوں کے لیے دستور حیات ہے اور ان کے ہر حکم کی تعمیل ذریعہ نجات ہے۔اسی لیے مسلمان خواہ کتنا ہی کمزور اور بے عمل کیوں نہ ہو تن من دھن سے ان پر نثار اور قربان ہے۔

حوالہ جات

۱۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین، مکتبہ رحمت دیوبند، جلد ۱، ص ۳۹

۲۔ Norman Daniel, Islam and the West, Making of an Image, The Edinburg University Press, 1960, P 68.

۳۔ سہ روزہ دعوت نئی دہلی، ۷/اگست ۲۰۰۷ء

۴۔ قرآن کریم، سورۃ التوبۃ: ۳۲

Marfat.com

محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

Marfat.com

کبھی تنہائی میں سوچئے کہ جس اولاد سے آپ محبت اور شفقت کرتے ہیں اور جسے ٹوٹ کر چاہتے ہیں وہ اگر درد و تکلیف میں مبتلا ہو جائے اور آہ و زاری کرنے لگے تو آپ چین کی نیند سو سکیں گے؟ اس کی دوا کا انتظام نہیں کریں گے، اس کی تکلیف کا مداوا نہیں کریں گے، اس کو تڑپنے کے لیے چھوڑ دیں گے اور خود میٹھی نیند سو جائیں گے؟۔

اور یہ بھی سوچئے کہ وہ شریک حیات جس پر آپ جان چھڑکتے ہیں اور جسے دیکھ کر آپ سکون قلب محسوس کرتے ہیں کسی بیماری میں مبتلا ہو جائے اور درد و غم کی تصویر بن جائے تو آپ راحت کی سانس لیں گے؟ آپ کے دل میں کیا رنج و الم کا طوفان نہیں اٹھے گا، آپ اس کے علاج کی فکر نہیں کریں گے، اس کی ضرورت سے غافل ہو جائیں گے؟۔

اس پر بھی غور کیجئے کہ وہ ماں باپ جن کی شفقت اور تربیت نے آپ کو زندگی اور جوانی کی نعمتوں کا حق دار بنایا وہ معذوری اور عارضہ کا شکار ہو جائیں تو کیا آپ ان کی مصیبت اور اذیت سے آنکھ بند کر لیں گے، ان کے علاج کے لیے دوڑ دھوپ نہیں کریں گے؟۔

بے شک آپ اسی نتیجہ تک پہونچیں گے کہ ہم جس سے محبت کرتے ہیں اور جس سے تعلق رکھتے ہیں اس کی پریشانی کو اپنی پریشانی سمجھتے ہیں، اس کی تکلیف پر اشک بار ہو جاتے ہیں اور اس کے علاج اور شفایابی کے لیے دعا اور دوا کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ محبت کی علامت، اس کا تقاضا اور اس کا ثبوت ہے، اگر ایسا نہ کریں تو یہ بے حسی اور بے غیرتی ہے اور باعث شرمندگی ہے۔

رات کی تنہائی میں ذرا اس پر بھی غور کیجئے کہ ہم سب لوگ جس محسن

Marfat.com

انسانیت، ختمی مرتبت، شفیع امت حضرت محمد ﷺ کی محبت کا دم بھرتے ہیں، پانچ وقت لاؤڈ اسپیکر سے ان کی رسالت کا اعلان کرتے ہیں اور دن رات نمازوں میں ان پر درود بھیجتے ہیں، ان کی سنت اور شریعت تکلیف میں مبتلا ہے کیا ہم اپنے دل میں اس کی کسک محسوس کرتے ہیں؟ ان کی امت درد و کرب میں مبتلا ہے کیا آپ اس کی دست گیری کی فکر کرتے ہیں؟ کبھی ایسا ہوا کہ آپ نے شریعت محمدیؐ کی زبوں حالی اور امت محمدیؐ کی رسوائی پر غور کیا ہو اور دل فگار ہو گئے ہوں، آنکھیں اشک بار ہو گئی ہوں اور آپ اس کے مداوا کے لیے بے چین اور سرگرم ہو گئے ہوں؟ ٹھیک اسی طرح جس طرح اپنی آل و اولاد اور ماں باپ کی تکلیف سے بے چین ہوئے ہوں۔

کوئی رات ایسی گذری ہے جب آپ کو نیند اس لیے نہ آئی ہو کہ روح محمدیؐ بے چین ہے، آپ بے قرار اس لیے ہوئے ہوں کہ چراغ محمدیؐ آندھیوں کی زد میں ہے، روئے اس لیے ہوں کہ امت کی کشتی بھنور میں ہے۔ کوئی دن ایسا گذرا کہ رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی کتاب ہدایت کو فکر و عمل سے دور اور گرد آلود جزدانوں میں محصور دیکھ کر آپ تڑپ گئے ہوں اور سراپا تصویر غم بن گیے ہوں؟

خوب سوچیے اور اپنے دامن دل کو ٹٹولیے، ہر روز آپ کی نگاہوں کے سامنے شریعت محمدی پر نادان دوستوں اور دانا دشمنوں کی طرف سے حملے ہوتے ہیں مگر ہم اپنے خواب و خیال میں مست ہیں۔ امت محمدؐ پر حوادث کے پہاڑ توڑے جاتے ہیں، قتل عام ہوتا ہے، عصمتیں لوٹی جاتی ہیں، ناحق دار و رسن تک پہونچایا جاتا ہے مگر ہم اپنی عافیت اور عیش کوشی کے قید خانہ سے باہر نہیں نکلتے۔ امت محمدیؐ کی وحدت کو ذات و برادری، مسلک و جماعت، علاقائیت اور سیاست جیسی نہ جانے کتنی قربان گاہوں پر بھینٹ چڑھایا جاتا ہے مگر ہمارے آرام میں خلل نہیں آتا، ہمارے قلم خشک اور قدم بوجھل بن جاتے ہیں۔ ہم اپنے محبوب کی میراث کی بربادی اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں مگر ہم حفاظتی تدبیروں سے غافل رہتے ہیں۔ کیا ہم یہ

Marfat.com

سمجھیں کہ عشق کا انگارہ سلگ کر بجھ گیا ہے اور راکھ باقی رہ گئی ہے، یعنی

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

اگر ذات محمدی سے ہمیں محبت ہے تو محبت میں تڑپنا، اس کے مطالبے پورا کرنا اس کے لیے قربانی دینا ہمیں کیوں نہیں آتا۔ محبوب کی کشش تو انسان کو پہاڑوں کو تراشنے اور سمندر کو کھنگالنے پر آمادہ کر دیتی ہے، مگر ہماری محبت اپنے تقاضے پورا کیوں نہیں کرتی؟ ہماری محبت اور ہماری حالت میں فاصلہ کیوں نظر آتا ہے؟ علامہ اقبال نے اس نفسیاتی کمزوری کو اس طرح محسوس کیا ہے۔

شبے پیش خدا بگریستم زار — مسلماناں چرا زارند و خوارند
ندا آمد نمی دانی کہ ایں قوم — دلے دارند محبوبے ندارند

ایک رات میں اللہ کے سامنے زار و قطار رویا اور پوچھا کہ مسلمانوں کی ذلت و رسوائی کی وجہ کیا ہے، جواب ملا تم نہیں جانتے یہ وہ قوم ہے جو دل تو رکھتی ہے مگر محبوب نہیں رکھتی۔ یعنی جس کے پاس محبوب ہوتا ہے وہ اس کا کہنا مانتا ہے، اس کی باتوں پر عمل کرتا ہے، اس کی تعلیم کو کردار میں ڈھالتا ہے، اس پر دل و جان نچھاور کرتا ہے، اس کی آرزو کو پوری کرتا ہے اور اس کے لیے قربانیاں دیتا ہے۔

یقین نہیں کیا جا سکتا کہ مسلمان راکھ کا ڈھیر ہے اور نہ یہ تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کا کوئی محبوب نہیں ہے، آگ تو ہے مگر دبی ہوئی، محبت تو ہے مگر خوابیدہ سی، درد محبت اگر جاگ اٹھے تو اندھیری راتوں میں دیا بن جائے اور سلگتے سلگتے شعلہ طور بن جائے۔

دوسری طرف اس محبوب کی محبت کا عالم دیکھیے، امت پر شفقت اور انسانیت پر رحمت کا نمونہ دیکھیے، دن بھر تو انسانوں کی خدمت اور ان کی ہدایت کے لیے کوشاں اور سرگرداں ہیں اور رات کو ان کی سعادت اور نجات کے لیے دعا اور مناجات میں منہمک ہیں۔ روتے اور گڑگڑاتے ہیں، آنکھیں سوج جاتی ہیں،

Marfat.com

پاؤں میں ورم آجاتا ہے۔ امت کے لیے اس قدر مشفق اور مہربان کہ ممتا سے بھری ہوئی ماں بھی اپنے بچے کے لیے یہ منظر نہ پیش کر سکے، رسولؐ امت کی غم خواری میں غرق، انسانیت کی خیر خواہی کے لیے بے چین عالمِ اضطراب میں اللہ سے صرف ایک التجا کرتے ہیں۔

إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ۔ (المائدہ-۱۱۸)

"اے معبود! اگر تو ان کو سزا دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کے گناہوں کو معاف کر دے تو بے شک تو غالب اور حکمت والا ہے۔"

رسولؐ کی بے قراری اور گریہ وزاری ایک دن دو دن یا ماہ دو ماہ اور سال دو سال کی نہیں بلکہ عمر بھر کی ہے۔ انسانیت کے غم میں گھلنے اور کوئلہ کی طرح سلگنے کا معاملہ اتنا شدید ہے کہ خود اللہ رب العزۃ کو مداخلت کرنا پڑتی ہے اور وہ اپنے رسول ﷺ کو پیار سے سمجھاتا ہے۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَى آثَارِهِمْ إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَسَفاً۔ (الکہف-۶)

"شاید افسوس کے مارے اپنے آپ کو ہلاک کر لیں گے کہ یہ لوگ اس قرآن پر ایمان نہ لائے۔"

رسول کریم کی نالہ نیم شبی کی اثر انگیزی کا انسان کیسے اندازہ لگائے، وہ محبت اور عقیدت میں انسان کو دیوتا بنا دیتا ہے اور مخالفت اور عناد میں رسولؐ کو خبطی اور دیوانہ قرار دیتا ہے۔ مگر رسول جس قوم کی ہدایت کے لیے آیا ہے اس کی مشکلات پر تڑپنا، اس کی بھلائی کے لیے مصیبت اٹھانا اور اس کی نجات کے لیے اپنی عمر عزیز کو گھلانا اس کی فطرت بن چکی ہے، چاہے انسان تنگ دلی سے انکار کرے یا خوش دلی سے اقرار کرے۔ اللہ تعالیٰ اس کا نہ صرف اعتراف کرتا ہے بلکہ عظمت محمدی کا یہ راز بھی کھولتا ہے۔

Marfat.com

لَقَدْ جَاءَ كُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ۔ (التوبۃ - ۱۲۸)

''تمہارے پاس تمہارے درمیان سے ایک رسول آیا، تمہاری تکلیف اس پر گراں گذرتی ہے، تمہاری بھلائی کا حریص ہے اور ایمان والوں پر شفیق ومہربان ہے۔''

انسانی اذیتوں پر آنسو بہانا، انسان کی کامیابی کا لالچی ہونا اور اہل ایمان پر محبت کی گھٹا برسانا رسول کی ایسی خصوصیت ہے جو اللہ کو بھی پسند ہے۔ اپنا پیٹ پالنے کے لیے انسان اور جانور سبھی جیتے ہیں۔ اپنی اولاد کی پرورش کے لیے سبھی جتن کرتے ہیں، اپنے خاندان کی ترقی کی فکر سبھی کرتے ہیں مگر عام انسانوں کے لیے جینا ان کی خیر خواہی میں جان کھپانا اور اپنے تن کا آشیانہ جلا کر انسانیت کی تاریک راتوں کو منور کرنا صرف نبی بالخصوص آخری نبی کا ہی کام ہوسکتا ہے۔ کیونکہ وہ رحمۃ للعالمین ہیں، رحمتِ عام کو پھیلانے میں جن دشواریوں کا وہ سامنا کرتے ہیں، گالیاں سنتے اور پتھر کھاتے ہیں، وہ ان کے حوصلہ کو اور پختہ کرتے ہیں۔ نہ کوئی شکوہ اور گلہ اور نہ کسی طرح کا انتقام اور بدلہ۔

آبلوں کا شکوہ کیا ٹھوکروں کا غم کیسا آدمی محبت میں سب کو بھول جاتا ہے

لوگ مجنوں کہتے ہیں تو کہا کریں، جادوگر اور دیوانہ کا خطاب دیتے ہیں تو دیا کریں، پتھر برساتے ہیں تو برسایا کریں۔ رحمتِ عالم کا فیض تو پہونچانا ہے، محبت کا ثبوت تو دینا ہے، نبوت کا مشن تو پورا کرنا ہے اور انسانیت کی نجات کی سعی تو کرنی ہے، اس کے بغیر بندگی کا مزہ پورا نہیں ہے اور مقصد زندگی بھی ادھورا ہے۔

محبت اور مشن کے تقاضے پورا کر کے جب محسن اعظم رخصت ہوتے ہیں تو اس کی تقلید اور توسیع کی ذمہ داری اپنے چاہنے اور ماننے والوں کو سونپ جاتے ہیں ''فلیبلغ الشاھد الغائب'' جو لوگ موجود ہیں وہ بعد والوں تک پہونچا دیں۔

اے فرزندانِ توحید اور اے امت محمدؐ! سوچئے کہ کس طرح آپ اپنی

Marfat.com

ذمہ داری ادا کر سکتے ہیں اور کس طرح محبت کا تقاضا پورا کر سکتے ہیں۔ شاید اس طرح:

(۱) رات کو سوتے وقت دن بھر کا جائزہ لیجئے کہ کوئی ایسی حرکت کی قیامت میں رسول کو منہ نہ دکھا سکیں یا کوئی ایسی نیکی کہ رسولؐ گلے لگا لیں۔

(۲) رسول کے لائے ہوئے قرآن کو طاقِ نسیاں پر رکھا یا سمجھ کر پڑھا اور عمل کیا۔

(۳) رسول کی سیرت اور سنت کو صرف عقیدت سے سنا یا اپنی شخصیت میں ڈھالا۔

(۴) رسول کے چراغ علم کو مدھم ہوئے دیا یا اسے گھر گھر تک پہونچایا۔

(۵) رسول کے نظام زندگی پر مشرکانہ نظام کو ترجیح دی یا اسے نافذ کرنے کی سعی کی۔

(۶) ظالموں کو ظلم سے روکا یا خاموش تماشائی بنے رہے۔

(۷) رحمۃ للعالمین کی طرح انسانوں کے لیے رحمت بنے یا زحمت بن گئے۔

(۸) رسول کی امت کو تسبیح کے دانوں کی طرح جوڑا یا کنکر پتھر کی طرح بکھیرا۔

(۹) اللہ اور بندوں کے حقوق پر پوری توجہ دی یا کسی کا حق دبا لیا۔

(۱۰) دین کا پیغام غیر مسلموں تک پہونچایا یا بے حسی کا رویہ اپنایا۔

ان سوالوں پر غور کیجئے اور ان کا جواب عمل سے دینے کی کوشش کیجئے۔

رسول اللہ کو محبت کا حق ادا کرنے کی وجہ سے پاگل اور دیوانہ کہا گیا۔ اگر آپ کو بھی عشق محمدؐ کے تقاضے پورا کرنے کی وجہ سے جنونی اور انتہا پسند کہا جانے لگے تو برا مت مانیے، اسے داد تحسین سمجھ کر قبول کیجیے اور یاد رکھیے۔

ہر کہ عشق مصطفیٰ سامان اوست　　بحر و بر در گوشہ دامان اوست

فقر و شاہی واردات مصطفیٰ است　　این تجلی ہائے ذات مصطفیٰ است

مصطفیٰؐ کا عشق جس کی زندگی کا سامان ہو جائے، دنیا اس کے گوشہ دامن میں سمٹ آتی ہے، فقیری اور بادشاہی دونوں واردات مصطفیٰ ہیں، یہ ذات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجلی ہیں۔

تمت

Marfat.com

عصرِ حاضر میں

اُسوۂ رُسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معنویت

پروفیسر ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی

Marfat.com